فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ

فتویٰ کیسے لیں؟

مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ لینے کی ضرورت اور اس کا طریقہ
علماء اور مفتیوں میں اختلاف ہو تو عوام کیا کریں؟

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ (سورہ نحل)

اگر تم کو علم نہیں ہے تو دوسرے اہل علم سے پوچھو

فتویٰ کیسے لیں؟

مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ لینے کی ضرورت اور اس کا طریقہ

علماء اور مفتیوں میں اختلاف ہو تو عوام کیا کریں؟

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگّا ہردوئی روڈ لکھنؤ

www.alislahonline.com

تفصیلات

نام کتاب.................. فتویٰ کیسے لیں؟

افادات........... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب................. محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت....................... ۱۴۳۴ھ

صفحات............................. ۵۶

قیمت.............................۵۰/روپے

ویب سائٹ...........WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے
☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ
☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ
☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱
☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ
☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست

فصل

فصل

فصل

تقریظ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارك الله في حياته وفي افادته) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدر دانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پارہے ہیں۔ اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خيرا.

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی ۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی اطاعت وفرمابرداری اور عبادت کے لئے پیدا کیا، اوراس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآن پاک کو نازل کیا، اپنے نبی کو بھیجا، جنہوں نے قرآن پاک کی آیات اوراحکامِ خداوندی کو بیان فرما کراپنے قول وعمل سے اس کی تشریح فرمادی، اورارشادفرمایا:" ترکت فیکم امرین لن تضلو اماتمسکتم بھما: کتاب اللہ و سنتی" (الموطاص۸۹۹ج۲ کتاب القدر)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہاہوں، کتاب وسنت اگران کومضبوطی سے پکڑے رہوگےاوران پر جمے رہوگےتو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوسکتے۔

لیکن ہرایک کے اندراتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ براہ راست کتاب وسنت سے احکام شرعیہ کوسمجھ کرعمل کرسکے اورایسا ممکن بھی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوخودہی مکلّف بنادیا کہ:فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ(سورہ نحل)

ترجمہ:اگرتم کوعلم نہیں ہےتو دوسرے اہل علم سے پوچھو

اس لئے ضروری ہوا کہ کتاب وسنت پرعمل کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی کی جائے جنہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام بیان کئے تاکہ کتاب وسنت پرعمل کرنے میں امت غلطی کا شکارنہ ہو،لیکن ائمہ مجتہدین کے اجتہادی مسائل وفتاویٰ بھی مبسوط اورعربی کتابوں میں مدوّن ہیں، ہرایک کے بس میں نہیں کہ ان سے استفادہ کرکےعمل کرسکے،اس لئےعوام الناس پرلازم اورضروری قرار دیا گیا کہ پیش آمدہ مسائل اورنئی صورتوں میں احکام خدواندی کومعلوم کرنے کے لئے اپنے زمانہ کے معتمداور ماہرعلماءاورمفتیان کرام (جن کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپناوارث اور جانشین قرار دیا ہے ان) سے مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔

لیکن علماء کرام اور مفتیان عظام سے دینی مسائل کیسے پوچھے جائیں، فتوے کیسے لئے جائیں، اس کے اصول وآداب کیا ہیں؟ اس کو بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء نے بیان فرمایا ہے، اس مختصر رسالہ میں انہیں اصول وآداب کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے افادات سے چن چن کر جمع کیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ لینے کی اہمیت وضرورت کا بھی احساس ہوگا اور اس کا طریقہ اور آداب بھی معلوم ہوں گے، اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اہل علم وارباب افتاء کے فتاویٰ ومسائل میں یا علماء دینی جن کاموں کو بھی انجام دے رہے ہیں خواہ تنظیم وجمعیۃ کی شکل میں ہوں یا کسی ادارہ کی شکل میں ان میں باہمی اختلاف کے وقت عوام کو کیا کرنا چاہئے۔

علماء محققین خصوصاً حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے امت کی اصلاح کے لئے چند طریقوں کو بیان فرمایا ہے۔(۱) معتبر دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا (۲) وعظ وتقریر سننا (۳) ضرورت کے مسئلے اور فتوے پوچھنا (۴) علماء ومشائخ سے ربط رکھنا اور ان کی صحبت سے مستفید ہو کر اپنی اصلاح کرانا (۵) دعوت وتبلیغ کے ذریعہ اپنے بھائیوں کی اصلاح کی کوشش کرنا، پھر ہر ایک کی تفصیل اور اس کے طریقے وآداب بھی بیان فرمائے ہیں تا کہ پورے دین پر بآسانی عمل ہو سکے۔

اس مجموعہ میں صرف ایک چیز یعنی مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ لینے کے تعلق سے ضروری ہدایات واصلاحات جمع کی گئی ہیں باقی صورتوں کے متعلق بھی انشاء اللہ ضروری آداب وہدایتیں جمع کی جائیں گی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے۔

محمد زید مظاہری ندوی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۱۹/ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ مطابق ۲/ مارچ ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۱

احکام سے ناواقف لوگوں کیلئے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَاشِفَاءُ الْعَیِّ السُّوَالُ ۱

(ترجمہ) مرض جہل کی شفاء سوال ہے یعنی اگر کسی بات کی خبر نہ ہو تو اس سے شفاء پوچھ لینا ہے اور الفاظ گو عام ہیں لیکن مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص ہے یعنی جہل سے ہر جہل مراد نہیں ہے بلکہ احکام الٰہی سے جہل مراد ہے اس لئے کہ حضور ﷺ کو دنیا کے قصوں سے کیا بحث ہے، حضور جس غرض کے لئے بھیجے گئے ہیں اسی سے بحث ہوگی پس جہل کا مضاف الیہ وہی امر ہوگا کہ جس کا تعلق بواسطہ یا بلاواسطہ دین سے ہو، پس جہل سے دین کا جہل مراد ہوگا اور یہ مطلب نہ ہوگا کہ تجارت یا زراعت میں کسی امر کو تم نہ جانو تو اس سے شفاء سوال ہے۔ پس حاصل یہ ہوگا کہ اگر اللہ جل جلالہ کے احکام سے ناواقفیت ہو، تو اس کی شفاء پوچھنا ہے۔ پس بے خبری سے مراد اللہ و رسول کے احکام سے بے خبری ہے، دوسرے یہ کہ جس موقع پر یہ حدیث وارد ہے وہ بھی اسی پر دال ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے فتوی دینے میں غلطی ہوگئی تھی اس پر حضور نے یہ ارشاد فرمایا تھا، جیسا آیت کے لئے اس کا شان نزول ہوتا ہے اسی طرح حدیث کے لئے سبب ورود ہوتا ہے جیسے شانِ نزول کے جاننے سے آیت کی تفسیر ہوتی ہے اسی طرح سببِ ورودِ حدیث کے جاننے سے حدیث کی شرح ہوتی ہے، پس اس قصہ کو ملانے سے مراد صاف طور سے متعین ہوگئی کہ اگر احکام دینیہ سے بے خبری ہو تو اس سے شفاء پوچھ لینا ہے یہ حاصل ہے حدیث شریف کا۔ ۲

۱ ابن ماجہ، کشف الخفاص ۱۹۲ ج ۱ ۲ وعظ السوال ملحقہ اصلاح اعمال ص ۳۲۵

www.alislahonline.com

احکام سے ناواقفیت ایک مرض ہے جس کا علاج مسئلہ معلوم کرنا ہے

غور کیجئے کہ شفاء کی اضافت عیّ بمعنی جہل کی طرف کی گئی ہے اور شفاء ہوا کرتی ہے مرض سے پس گویا جہل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض ٹھہرایا ہے اور پہلے عرض کیا گیا کہ جہل کے مضاف الیہ کے اندر عموم نہیں بلکہ احکام الٰہیہ سے جہل مراد ہے، پس ان دونوں امروں سے ثابت ہوا کہ جس طرح اور بیماریاں ہیں اسی طرح مسائل شرعیہ کا نہ جاننا بھی ایک بیماری ہے، اس سے آپ کو اس جہل کا بیماری ہونا تو معلوم ہوا۔

اب اس میں غور کرنا چاہئے کہ جب کوئی بیماری آپ کو یا آپ کی اولاد کو پیش آتی ہے تو اس کے ساتھ آپ کا کیا برتاؤ ہوتا ہے؟ برتاؤ یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے تو ایک فکر پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اگر شبہ بھی بیماری کا ہو جاتا ہے تو اس سے بھی فکر ہو جاتا ہے، اور فکر بھی کیسا کہ آدمی کا دل دہل جاتا ہے کہ دیکھئے اس کا انجام کیا ہو، اول مرحلہ تو یہ ہے، اس کے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ کس کو دکھلاؤ؟ کسی سے دوا لکھواؤ اور اس دکھلانے میں یہ نہیں کرتے ہو کہ کیفما اتفق جس کو چاہا دکھلا دیا بلکہ تلاش اس کی ہوتی ہے کہ کسی ہوشیار طبیب کو جو فن سے واقف ہو دکھلانا چاہئے اس کی تلاش میں جس قدر بھی مشقتیں واقع ہوں سب برداشت کرتے ہو اور وہ جس قدر فیس مانگے اس کا بھی تحمل کرتے ہو۔

اس کے بعد جو کچھ وہ تجویز کرتا ہے اس کے سرمو خلاف نہیں کرتے ہو جس شئ کا پرہیز بتلاتا ہے اس میں بہت اہتمام کرتے ہو اور بار بار اس سے مریض کا

حال بیان کرتے ہو اگر اس نسخہ سے آرام نہ ہو تو وہ دوسرا نسخہ بدلتا ہے اس کو بھی اسی جدوجہد کے ساتھ تیار کرا کے استعمال کراتے ہو اور اگر اس معالجہ سے آرام نہ ہو تو اکتا کر علاج نہیں چھوڑتے بلکہ برابر کوشش کرتے رہتے ہو بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض بیماریوں سے شفا نہیں ہوتی پھر بھی برابر علاج کرتے ہو حتیٰ کہ موت آنے تک بھی مریض کے منہ میں دوا ٹپکاتے ہو، یہ برتاؤ ہوتا ہے ہمارا مریض کے ساتھ۔

اب غور تو کیجئے! واقعی بڑی غیرت اور ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ جس مرض کو ارسطو اور بقراط اور جالینوس مرض بتلادیں اس کا تو تم اتنا فکر اور اس قدر اہتمام اور غضب کی بات ہے کہ جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض بتادیں اس کا اہتمام تو کیا کسی درجہ میں خیال تک نہ ہو بلکہ اس کو بیماری بھی نہیں جانتے۔[1]

اپنی فکر کرو اور اپنی ضرورت ہی کا مسئلہ پوچھو

اب اس حدیث کے اندر تھوڑا اور غور کرو تو سوال کے (بعض) آداب بھی اسی حدیث سے نکلتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ حکیم جی سے اول آدمی اپنے امراض کے متعلق پوچھتا ہے یہ نہیں کرتا کہ خود تو سیکڑوں بیماریوں میں مبتلا ہے اور اپنے پڑوسیوں کے امراض حکیم جی کے سامنے گا رہے ہیں اور وہ بھی بلاوجہ، کیونکہ ان کا معالجہ اس کو مقصود نہیں اگر ایسا کوئی کرے تو اس کو بیوقوف کہا جاوے گا، اسی طرح طبیب روحانی یعنی عالم (ومفتی) سے اگر ملنے کا اتفاق ہو تو اپنے متعلق جو مسائل ہیں جن کی تم کو ضرورت ہے ان کا سوال کرو ایسا نہ کرو کہ دوسروں کی عیب جوئی کے واسطے مسائل پوچھو، ورنہ اس کی تو ایسی مثال ہوگی کہ خود تو دِق (ٹی بی کے مرض) میں مبتلا ہے اور دوسرے کے پاؤں میں جو موچ آگئی ہے اس کا نسخہ لکھوا رہے ہیں۔[1]

[1] وعظ السوال ملحقہ اصلاح اعمال ص ۳۲۶

فرضی مسائل مت پوچھو

اور اسی طرح مرض کے ساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ جو مرض واقع ہو اس کے متعلق سوال کرتے ہیں، یہ نہیں کرتے کہ مرض فرض کر کے اور گھڑ گھڑ کے حکیم جی سے بیان کریں، ایسے ہی علماء سے وہ مسائل دریافت کرنے چاہئیں کہ جن کا وقوع ہو، احتمالات کا اختراع مت کرو، جیسا ایک شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ ایک عورت اور اس کا بھائی اور خاوند چلے جا رہے تھے بھائی اور خاوند کو دشمنوں نے آ کر مار ڈالا اور سر کاٹ ڈالا، اس کے بعد کوئی اللہ کا بندہ آیا اس نے خاوند کے دھڑ میں بھائی کا سر اور بھائی کے دھڑ میں خاوند کا سر جوڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ زندہ ہو گئے تو اب اس عورت کا خاوند کونسا ہے اور بھائی کونسا؟ بالکل مہمل بات ہے، بھلا کہیں ایسا واقع ہوا ہے؟

فتویٰ ایسے مفتی سے لو اور مسئلہ ایسے شخص سے پوچھو جس پر پورا اطمینان ہو

ایک اور ادب معلوم ہوا، وہ یہ ہے کہ دوا (اور علاج) ایسے شخص سے پوچھا کرتے ہیں جس پر اطمینان ہو، ہر کسی سے علاج نہیں کرایا کرتے اور جس پر اطمینان ہو وہ خواہ تلخ (کڑوی) دوا بتادے یا میٹھی، بدل وجان قبول کر لیتے ہیں اسی طرح دینی مسائل بھی اس شخص سے پوچھو جس پر کامل اطمینان ہو اور پھر وہ خواہ نفس کے موافق حکم بتاوے یا خلاف، خوشی سے قبول کر لو۔[1]

---

[1] وعظ السوال ملحقہ اصلاح اعمال ص ۳۳۶

مسئلہ کی صورت پوری پوری بیان کردو

ایک ادب یہ معلوم ہوا کہ طبیب کے سامنے جو واقعہ ہے اور اصل مرض وہ (پورا پورا) بیان کر دیا کرتے ہیں یہ نہیں کرتے کہ حالت تو کچھ ہے اور بیان کچھ، اسی طرح دینی مسائل بھی جس سے پوچھو تو جو واقعہ ہو بے کم وکاست (پورا کا پورا) بیان کردو، پیچ پاچ نہ کرنا چاہئے، کچا چٹھا بیان کر دینا چاہئے، غور کرنے سے اور بھی نکات اور آداب معلوم ہو سکتے ہیں۔[1]

غیر ضروری سوالات کی ممانعت قرآن پاک میں

قرآن شریف میں تو ان احکام کے پوچھنے سے بھی منع کیا گیا ہے جن کی ضرورت نہ ہو فرماتے ہیں لاَ تَسْئَلُوْ اعَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُوْءَ کُمْ یعنی وہ باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ ظاہر کر دی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو چنانچہ اس آیت کا شان نزول بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ جب حج کی فرضیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تو ایک شخص نے پوچھا کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ آپ نے تین بار سکوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ اگر میں ہاں کر دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر کسی سے ادا نہ ہو سکتا تو جب احکام کے متعلق ایسی باتوں کے پوچھنے سے بھی منع کیا گیا ہے جو غیر ضروری ہیں تو ان باتوں کا کیا پوچھنا جو مضر بھی ہیں، تجربہ کر کے دیکھئے کہ غیر ضروری سوالات وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو کچھ کام کرنا نہیں چاہتے اور جن کے ذہن میں دین کی کچھ وقعت نہیں ہوتی، جن کے دلوں میں علماء کا اور دین کا کچھ ادب نہیں ورنہ دیکھئے کہ ایک کلکٹر سے ملنے جاتے ہیں تو وہاں گنی چنی ہی باتیں کرتے ہیں اور باہر نکل کر کہتے ہیں کہ میں نے قصداً زیادہ باتیں نہیں

---

[1] وعظ السوال ملحقہ اصلاح اعمال ص ۳۳۶

چھیڑ یں کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بلا پیچھے لگ جائے ، دیکھئے وہاں یہ جرأت نہیں ہوتی کہ کسی قانونی مسئلہ کو چھیڑ دیں کہ اس کا حکم قانون میں ایسا کیوں ہے ، وجہ یہ ہے کہ وہاں ہیبت اورادب ہےاور یہاں کچھ بھی نہیں۔

حضرات صحابہ کا عمل

صحابہ ایسے باادب تھے کہ جو ضروری باتیں پوچھنا بھی چاہتے تھے تو کئی کئی دن تک نہ پوچھتے ، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے بعض دفعہ فرشتہ کو بصورت انسان بھیجا اوراس نے وہ سوالات کئے جو صحابہ کے دل میں تھے تاکہ لوگوں کو علم ہو یہ ان کے ادب کی برکت تھی کہ حق تعالیٰ نے خود ان سوالات کو حل فرمادیا چنانچہ حدیث جبریل ایک مشہور حدیث ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جبرئیل بصورت انسان آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے اوراس سے غرض یہی تھی کہ لوگوں کو ان باتوں کا علم ہوجائے ،ادب کی یہ برکت ہے کہ خود خدا تعالیٰ کی طرف سے ضرورت پوری کی گئی۔

بنی اسرائیل کی بے ادبی اور کثرتِ سوال کا انجام

اور بے ادبی کا یہ نتیجہ ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا تھا کہ ایک گائے کی قربانی کرو انہوں نے اس حکم میں حجتیں نکالنا شروع کیں کہ بتلایئے گائے کیسی ہو؟ بتلایا گیا کہ جوان گائے ہو، کہا یہ بھی بتلایئے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ حکم ہوا کہ رنگ زرد ہونا چاہیئے ، پھر کہا کہ ٹھیک ٹھیک اور مشرّح بتلایئے کہ کیسی گائے ہو اب تک ہماری سمجھ میں پوری حالت اس کی آئی نہیں ، حکم ہوا کہ ایسی گائے ہو کہ جس سے نہ جوتنے کا کام لیا گیا ہواور نہ سینچائی کا کام لیا گیا ہواور بالکل یک رنگ ہو کہیں اس

میں داغ دھبہ نہ ہو، چنانچہ ایسی گائے ان کو تلاش کرنا پڑی اور بہ ہزار دقت رقم کثیر خرچ کر کے بہم پہنچی، حدیث میں آیا ہے کہ اگر بنی اسرائیل اتنی حجت نہ کرتے اور جیسے ہی حکم ہوا تھا فوراً کوئی سی گائے ذبح کرڈالتے تو کافی ہوجاتی، یہ تنگی کثرت سوال کی وجہ سے ہوئی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس امت کو حق تعالیٰ نے خود ہی اس فعل سے منع فرمادیا، چنانچہ ارشاد ہے:

یَااَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَسْئَلُوْاعَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَلَکُمْ تَسُؤْکُمْ(مائدہ پ ۷)

(اے ایمان والو!وہ باتیں مت پوچھو کہ اگر ظاہر کردی جاویں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو)اورآگے یہ بھی فرمادیا **قَدْسَاَلَھَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِکُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْابِھَا کَافِرِیْنَ** (مائدہ پ ۷) یعنی تم سے پہلی امت نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ احکام میں اس طرح حجتیں کرتے تھے گویا تحقیق کررہے ہیں لیکن جب حکم ہوتا اور اس کی پوری شرح کردی جاتی تو اس کی امتثال(اطاعت) سے انکار کردیتے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ حجتیں کرنا اسی بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو کام کرنا منظور نہیں کام کرنے والا ہمیشہ ڈرا کرتا ہے کہ خدا جانے مجھ سے تعمیل ہوسکے گی یا نہیں، اسی واسطے وہ اپنے اوپر تنگی کو اختیار کرتا ہے، بنی اسرائیل بڑے سرکش تھے انہوں نے حجتیں چھاٹیں اور تقریریں کر کے اپنے اوپر مصیبت لادی، اس امت پر خدا کا فضل رہا کہ کہ حضرات صحابہ حکم کو سن کر اس میں شقوق اور احتمالات نہ نکالتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وشفقت

یہ برکت حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس امت نے سہولت پسندی کو اپنا شعار بنایا اور جب کبھی اس کے خلاف کوئی جھوٹا واقعہ بھی ہوا جب ہی حق تعالیٰ نے آیت اتاردی اور بالتصریح اس کی ممانعت فرمادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی یہ شفقت کہ جب کبھی ایسا موقع ہوا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو سنبھالے رہے اور قولاً وفعلاً دونوں طرح اس سے باز رکھا جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا کہ جب حج کی فرضیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ حج ایک ہی دفعہ فرض ہے یا ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور جواب نہیں دیا، اس نے پھر پوچھا پھر جواب نہیں دیا، پھر سہ بارہ پوچھا جواب نہیں دیا اور یہ فرمایا کہ اگر میں ہر سال کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا پھر تم سے ہو نہ سکتا، واقعی حق تعالیٰ کا شکر نہ ادا ہو سکتا کہ ہم کو ایسا رہبر دیا جو ہمارے اوپر ماں باپ سے بھی زیادہ بلکہ ہماری جانوں سے بھی زیادہ شفیق ہے، دیکھئے ہم خود اپنے اوپر تنگی کر رہے ہیں اور آپ ہم کو بچاتے ہیں بس اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس امت پر فضل ہی کرنا تھا۔[1]

غیرِ ضروری سوالات کی ممانعت حدیث پاک میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ کرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال(مسلم)

(ترجمہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے ناپسند فرمایا ہے قیل وقال کو اور کثرت سوال کو اور مال کے ضائع کرنے کو۔

(اس حدیث پاک میں) اگر سوال سے مراد مسائل پوچھنا ہو تو اس کی بھی کثرت سے حدیث میں منع کیا گیا ہے جس پر ظاہراً شبہ ہو سکتا ہے کہ مسائل پوچھنا تو موجب ترقی دین ہے اس کی ممانعت کیسی؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ:

اس منع سے تعجب نہ کیجئے کیونکہ کثرت سوال کا منشاء عمل نہ کرنا ہے (باریک

[1] وعظ ذم المکروھات ملحقہ اصلاح اعمال ۴۴۷

بات ہے) جس کو کام کرنا ہوتا ہے وہ تو ذرا سا حکم پا کر اس کی تعمیل میں لگ جاتا ہے بلکہ وہ ڈرا کرتا ہے کہ اگر کچھ پوچھوں گا تو کوئی دشواری کام میں نہ پیدا ہو جائے اور پھر مجھ سے ہو نہ سکے اور جس کو کام کرنا نہیں ہوتا وہ یہی تقریریں چھانٹا کرتا ہے، غرض مسائل میں خواہ مخواہ خوض کرنا اچھا نہیں یہ عمل سے لاپروائی کی دلیل ہے۔

علماء سے ایک شکایت

دقیق غیر ضروری سوالوں کا جواب دینے کا نقصان

اور اس میں تقصیر (کوتاہی) صرف سائلین ہی کی نہیں بلکہ گروہ علماء (اور مفتیوں) کی بھی ہے جو ان سوالوں کا جواب دیتے ہیں، وہ کوتاہی یہ ہے کہ یہ حضرات ہر سوال کے جواب کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، پوچھنے والوں کو تو دل لگی ہوتی ہے اور ان کا وقت ضائع ہوتا ہے، یہ تو وقتی مفاسد ہیں اور جو خراب نتائج بعد میں پیدا ہوتے ہیں ان کا سلسلہ دور تک پہنچتا ہے اول تو سننے والے اکثر صحیح نہیں سمجھتے نیز روایت کرنے میں احتیاط بالکل نہیں اس میں عوام اور جہلاء کی تو کیا شکایت کی جائے پڑھے لکھے بھی احتیاط نہیں کرتے کہا جائے کچھ اور دوسری جگہ بات ہو جائے کچھ سے کچھ، کچھ تو سمجھنے میں غلطی کی اور کچھ روایت میں بے احتیاطی کی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مفتی تک وہ مضمون کچھ کا کچھ ہو کر پہنچ گیا پھر وہ دوسرے سننے والے جن کو یہ مضمون پہنچایا گیا وہ بھی محتاط نہیں، انہوں نے سوءِ ظن سے مفتی اول پر کوئی فتوی لگا دیا اور دل میں عداوت بٹھالی پھر وہ فتوی لوٹ کر وہاں بھی نقل کیا گیا جہاں سے بات چلی تھی اور درمیان میں وہ بھی کچھ سے کچھ ہو گیا، اب چونکہ ان کے فتوے کی مخالفت کی گئی تھی اس واسطے انہوں نے ان کے فتوے سے بھی تیز کوئی فتوی لگا دیا یہ ہے

اصل اکثر علماء کے باہم مخالفت کی، اس میں قصور عوام کا تو ہے ہی مگر علماء کی بھی یہ کوتاہی ضرور ہے کہ کیوں فضول باتوں کے جواب کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جس کے یہ نتائج ہوتے ہیں یہ کونسا کمال ہے کہ جواب میں سائل کے بھی مذاق کا اتباع کیا جائے جب ہم کو معلوم ہو جائے کہ یہ سوال بے ضرورت کیا جاتا ہے اور اس کے یہ نتائج ہونے والے ہیں تو ہم سکوت کیوں نہ اختیار کرلیں، میں تو اس سوال کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا جس میں گو کچھ بھی مفاسد نہ ہوں لیکن بے ضرورت ہو کیونکہ کم سے کم تضییع وقت (یعنی وقت کو ضائع کرنا) تو ہے ہی، یہ فضول ایسا ہے جیسا کوئی سائل آ کر پوچھے کہ تم نے مکان کتنے گز زمین میں بنوایا ہے، تو کون عقلمند ہے کہ اس کا تحقیقی جواب دینے کے لئے تیار ہو جائے گا؟ بس اس کا جواب یہی دے گا کہ اس سوال سے غرض بتلاؤ؟ جب غرض صحیح نہیں ہے تو ہم جواب بھی نہیں دیتے پھر بھی برتاؤ ان سائلوں کے ساتھ نہیں کیا جاتا جو دین کے متعلق بیکار سوال کرتے ہیں۔ اس کثرت سوال کو بھی منع فرمایا گیا ہے۔[۱]

غیر ضروری سوال کرنے اور دقیق بحثوں میں پڑنے اور دلیلوں کے پوچھنے کا نقصان

کثرت سوال کے ایک معنی وہ بھی ہیں جس کا ترجمہ ہے، بہت پوچھنا یعنی وہ باتیں پوچھنا جو ضرورت اور اپنے حوصلہ سے باہر ہوں جیسے لوگوں نے آج کل مشغلے کر لئے ہیں کہ جب پوچھتے ہیں تو تقدیر کا مسئلہ اور وحدۃ الوجود کا مسئلہ پوچھتے ہیں جو ایسے باریک مسئلے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء نے ان میں سر مارا اور کچھ نہ پا سکے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ مسئلے صحیح نہیں، مسئلے بالکل صحیح ہیں اور عقل سے خارج بھی

---

[۱] ذم المکروھات ملحقہ الاح اعمال ص ۴۵۰، ۴۵۱

نہیں لیکن مشکل اور دقیق بہت ہیں ہر شخص کے سمجھ میں نہیں آسکتے بلکہ عقل محض سے حل ہو ہی نہیں سکتے، ہاں اگر کوئی باقاعدہ علم حاصل کرلے اور عقل کی امداد نقل سے لے تو وہ ان کی تہ کو بخوبی پہنچ سکتا ہے بالکل کھلے ہوئے مسئلے ہیں، پھر غضب یہ ہے کہ پوچھنے والوں میں لیاقت تو گلستاں اور بوستاں کی بھی نہیں ہوتی اور بحث کرتے ہیں ان مسئلوں میں پھر اس کے نتیجے دو ہوتے ہیں اگر مزاج میں آزادی ہوئی تب تو آگے چل نکلتے ہیں اور کوئی ہمہ اوست کہتا پھرتا ہے اور کوئی جبر کا قائل ہوجاتا ہے حالانکہ سمجھتے کچھ بھی نہیں کہ ہمہ اوست کیا بلا ہے اور جبر و اختیار کس کو کہتے ہیں اور اگر آزادی نہ ہوئی تو ان دونوں مسئلوں میں قسم قسم کے شکوک پیدا ہوجاتے ہیں پھر معاذ اللہ یہ نوبت آتی ہے کہ نفس کہتا ہے یہ کیسا دین ہے جس میں ایسے مشتبہ مسائل ہیں، قصور تو اپنا اور بدظنی دین سے، صاحبو! ان مشغلوں کو چھوڑ و اور کام میں لگو۔

علماء اور مفتیوں کو مشورہ

اور مجیب صاحبوں کو بھی مشورہ دیتا ہوں کہ جب ایسے مسئلہ پوچھے جائیں اور سائل ان کے سمجھنے کا اہل نہ ہو تو ہرگز جواب نہ دیں، عالم ہونے کی شان یہی نہیں کہ ہر بات کے جواب کے لئے تیار ہوجائیں آج کل دونوں طرف سے بے احتیاطی ہے سائل تو ایسے ہی مسئلوں کی چھیڑ چھاڑ کو دین سمجھے ہوئے ہیں اور علماء اپنا کمال اس کو سمجھتے ہیں کہ سارے مسائل کو سمجھا ہی کر چھوڑیں۔[1]

[1] وعظ ذم المکروھات ص ۴۴۵

فصل

مستفتیوں کے لئے چند ضروری ہدایات وآداب

مسئلہ ہر مولوی یا عالم سے نہ پوچھنا چاہیئے

لوگ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں بعض اوقات تو یہ بھی نہیں تحقیق کرتے کہ واقعی یہ شخص عالم بھی ہے یا نہیں کسی کا نام مولوی سن لیا اور اس سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔

اور بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس مشرب کا ہے، کس عقیدہ کا ہے، ایسے شخص کے جواب سے بعض اوقات تو عقیدہ یا عمل میں خرابی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تردد وشبہ میں پڑ کر پریشان ہوتا ہے یا پریشان کرتا ہے۔[1]

عامی شخص کو مسائل کے دلائل اور علتیں نہ دریافت کرنا چاہیئے

ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کئے جاتے ہیں جن کے سمجھنے کے لئے علوم درسیہ کی حاجت ہے اور چونکہ سائل کو وہ حاصل نہیں اس لیے وہ دلیل کو سمجھتا نہیں اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب (جواب دینے والا) دلیل دینے سے انکار کرتا ہے تو اس مجیب غریب کو بدخلقی پر محمول کیا جاتا ہے۔[2]

غیر ضروری اسرار اور علل پوچھنے کی مذمت

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الآية (پ۱۵ بنی اسرائیل)

---

[1] اصلاح انقلاب ص۱۳۱۔ [2] اصلاح انقلاب ۱/۱۳۱۔

(ترجمہ) اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

فائدہ: اس میں دلالت ہے کہ اسرار غیر ضروریہ کا تفحص (یعنی احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کی جستجو اور اس کے متعلق سوال) مذموم ہے، جب کہ آیت کا مدلول نہی عن السوال کہا جائے، جیسا کہ ظاہر ہے[1]۔

آپسی بحث ومباحثہ کی وجہ سے استفتاء نہ کرنا چاہئے

(کچھ لوگ) کسی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ شروع کرتے ہیں پھر اپنی تائید کے لیے فتویٰ حاصل کرتے ہیں پھر وہ اپنے مخالف کو دکھلا کر اس پر احتجاج کرتے ہیں پھر وہ اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرح خوامخواہ باہم جنگ وجدل کیا کرتے ہیں حالانکہ عوام کو اس میں پڑنا موجب خطر ہے اگر ان سے کوئی اہل باطل الجھے تو علماء کا حوالہ دے کر اس کو قطع کر دیا جائے اگر غرض ہوگی تو خود پوچھے گا[2]۔

غیر ضروری اور فضول سوال نہیں کرنا چاہئے

غیر ضروری چیزوں سے جن میں غیر ضروری سوال بھی آ گیا اجتناب رکھو! اسلام کی خوبی میں سے ہے کہ لا یعنی یعنی فضول باتوں کو ترک کر دیا جائے حدیث شریف میں ہے **من حسن الاسلام ترکه مالا یعنیه**۔

جس سوال کی انسان کو خود ضرورت نہ ہو کیوں فضول وقت خراب کرے اپنا بھی اور دوسرے کا بھی، اور اگر بلاضرورت ہی تحقیقات کا شوق ہے تو مدارس میں جا کر ترتیب سے تعلیم حاصل کیجئے، مگر آج کل یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ لاؤ خالی بیٹھے کچھ نہ کچھ مشغلہ ہی سہی (یہ بہت بڑی غلطی ہے) ہر شخص کو اپنے عمل کے لیے پوچھنا چاہئے[3]۔

---

[1] بیان القرآن، مسائل السلوک ص ۳۰۹ [2] اصلاح انقلاب ۱/۳۱۔ [3] الافاضات الیومیہ ۲/۱۲۷۔

ضروری سوال کی تعریف

ضروری چیز کا معیار یہ ہے کہ اگر وہ نہ ہوتو ضرر مرتب ہو[1]

جس چیز کا اپنے سے تعلق نہ ہو بس وہ غیر ضروری ہے، بس جو چیز ضروری ہو (یعنی اپنے سے متعلق ہو) آدمی اس کا حکم معلوم کرے۔[2]

سائل و مستفتی پر مفتیوں کے آداب ملحوظ رکھنا ضروری ہے

يَاأَيُّهَاالَّذِيْنَ آمَنُوْلاتَرْفَعُوْااَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلاتَجْهَرُوْالَه بِالْقَوْلِ كَجَهْرِبَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ الآية۔ (پ۲۶ سورہ حجرات)

(ترجمہ وتفسیر) اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند مت کیا کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو، یعنی نہ بلند آواز سے بولو، جب کہ آپ کے سامنے بات کرنا ہو، گو باہم ہی مخاطبت ہو اور نہ برابر کی آواز سے بولو جب کہ خود آپ سے مخاطبت کرو، بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے، ورنہ آپ کا ادب کرتے اور ایسی جرأت نہ کرتے، اور اگر یہ لوگ ذرا صبر کرتے اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجاتے، تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا، کیونکہ یہ ادب کی بات تھی، اور یہ لوگ اگر اب بھی توبہ کرلیں تو معاف ہو جاوے کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے۔

(فائدہ) علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہوں ان کے ساتھ بھی یہی آداب برتنا چاہئے گو سوءِ ادب کا وبال اس درجہ کا نہ ہوگا لیکن تأذی بلا ضرورت (یعنی بلاوجہ ان کی ایذا کا باعث بننے) میں حرمت ضرور ہے۔[3]

---

[1] الافاضات ۳۸/۴ [2] ملفوظات حکیم الامت ۱۲۴/ج۵ ملفوظ نمبر ۱۳۱ [3] بیان القرآن پ۲۶ سورہ حجرات

مسئلہ پوچھنے میں موقع ومحل کی رعایت کرنا چاہیے

(مسائل) پوچھنے کے لیے ہمیشہ الگ جلسہ ہونا چاہیے، بے وقت سوال کرنا بڑی غلطی ہے جیسے کوئی طبیب راستے میں چلا جارہا ہے اور کوئی مریض کہے چلتے چلتے نسخہ ہی لکھتے جاؤ اس حالت میں کیا نسخہ لکھے گا، پوچھنے کے لیے الگ جلسہ ہونا چاہیے جس میں یہی کام ہوتا، کہ جواب دینے والے کے تمام خیالات اسی طرف متوجہ ہوں۔[1]

بعض لوگ کھانا کھاتے میں کچھ پوچھا کرتے ہیں تو میں منع کردیتا ہوں کیونکہ کھانے میں خلل ہوتا ہے کھانا کھانے میں تو تفریح کی باتیں کرنا چاہیے (یعنی) اس وقت ایسی کوئی بات جس میں سوچنا پڑے نہ کرنا چاہیے اس سے غذا کے ہضم میں بھی تو فرق پڑتا ہے۔[2]

ایک صاحب نے دور سے بیٹھے ہوئے بلند آواز سے عرض کیا کہ حضرت ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے، فرمایا کہ اتنی دور سے مسئلہ نہیں پوچھا کرتے کوئی مسئلہ بیکار نہیں، تم کو بھی اذان دینا پڑے گی، اور مجھ کو بھی، جب مجمع کم ہوجائے اور قریب آسکو تب پوچھنا ابھی انتظار کرو۔[3]

راستہ چلتے مسئلہ پوچھنے کی ممانعت

فرمایا کہ میں راستہ میں مسئلہ نہیں بتلایا کرتا وہاں اطمینان تو ہوتا نہیں ہے۔[4]

سوال کرنے کا طریقہ

سوال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو کہنا ہو اپنی طرف منسوب کرکے پوچھے دوسروں کے اقوال نقل کرکے تصویب وتخطیہ نہ کرائے (کہ یہ صحیح ہے یا غلط) اس سے طبیعت پر بار ہوتا ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ) جو شبہ اپنے کو پیش آئے اس کا خود سوال کیجئے دوسروں کے اقوال سوال کے وقت نقل نہ کیجئے۔ (الافاضات الیومیہ)

---

[1] حسن العزیز ۲/۹۷ [2] الافاضات الیومیہ ۲/۸ [3] الافاضات ۲/۸۔ [4] الافاضات الیومیہ ۲/۱۳۵۔

www.alislahonline.com

ہر سوال واضح اور علیحدہ ہونا چاہئے

ایک صاحب نے مسئلہ دریافت کیا اور دوصورتوں کو ایک ہی مسئلہ میں جمع کر دیا کہ ''اگر یہ کیا یا یہ کیا'' تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اس طرح دوسوالوں کو ایک ساتھ جمع کر کے نہ پوچھئے یعنی ''یا'' کر کے نہ پوچھئے! بہت سے سوال میرے پاس لفظ ''یا'' کے ساتھ آتے ہیں جہاں ''یا'' ہوا واپس کر دیتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ علیحدہ علیحدہ سوال قائم کر کے بھیجئے۔[1]

ایک ہی مسئلہ کو بار بار نہ پوچھنا چاہئے

ایک صاحب نے ایک مسئلہ مولانا صاحب سے دریافت کیا اور اس کے ذیل میں یہ بھی کہنے لگے کہ فلاں مولوی صاحب نے اس مسئلہ کو اس طرح بیان کیا تھا، مولانا نے فرمایا کہ جب تم نے ایک جگہ اس مسئلہ کو دریافت کر لیا تھا پھر دوبارہ کیوں دریافت کرتے ہو؟ اور اگر تم کو ان مولوی صاحب پر اعتقاد نہیں تو پھر میرے سامنے ان کا نام لینے سے کیا فائدہ یہ حرکت سخت بے ہودگی کی ہے۔[2]

ایک ہی مسئلہ کوئی جگہ نہ دریافت کرنا چاہئے

فرمایا کہ دو جگہ مسئلہ نہ دریافت کیا کرو، اس طرح تسلی وتشفی نہیں ہوتی بلکہ تشویش بڑھ جاتی ہے جس سے عقیدت ہو اس سے دریافت کرو، اور اگر (کبھی کسی ضرورت سے) چند جگہ دریافت کرو تو فیصلہ خود کیا کرو، ایک کا جواب دوسری جگہ دوسرے کے سامنے نقل کرنا بالکل نامناسب ہے اور کوئی عالم کسی کا مقلد نہیں ہوسکتا۔[1]

---

[1] حسن العزیز ۱/۱۹۵ [2] دعوات عبدیت ۱۴/۱۰ [3] ملفوظات ۳/۳۲ ۔ [3] ملفوظات ۳/۳۲۔

ایک ہی مفتی کا انتخاب کر لینا چاہئے

اسی طرح مذہب کے علماء اخیار میں سے ایک ہی کو متعین کر لینے میں یہی حکمت ہے کیونکہ زمانہ کی حالت بدل گئی ہے لوگوں پر غرض پرستی غالب ہے اور ایک مذہب کے علماء میں بھی آپس میں مسائل کے اندر اختلاف ہے پس اگر ایک عالم کو متعین نہ کیا جائے گا تو اس میں اندیشہ ہے کہ کہیں غرض پرستی میں نہ پڑ جائیں کہ جس عالم کی رائے نفس کے موافق ہوئی اس کو مان لیا اور جس کی رائے خلاف ہوئی اس کو نہ مانا[1]

ایک ہی مسئلہ کو کئی جگہ دریافت کرنے کی خرابی

(کچھ لوگ) ایک مسئلہ کو کئی جگہ پوچھتے ہیں اور بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہے تو اس وقت یا تو تعیّن راجح (یعنی کس فتویٰ کو ترجیح دیں اس) میں پریشان ہوتے ہیں یا جس میں نفس کی مصلحت ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی اس کی عادت ہو جاتی ہے تو استفتاء سے یہی مقصود ہوتا ہے کہ نفس کے موافق جواب ملے اور جب تک ایسا جواب نہیں ملتا برابر اس کدو کاوش میں رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدین سے بہت بعید ہے، سراسر اتباع ہویٰ وتلعُّب فی الدین ہے (وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ، اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اپنے نفس کی پیروی کرے، یعنی یہ صورت دین سے دور اور دین کے ساتھ کھیل اور خواہش نفس کی پیروی کے مرادف ہے)[2]

ایک مفتی کا جواب دوسرے مفتی کے سامنے نقل کرنے کا نقصان

بعض اوقات ایک مجیب (مفتی) کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کر دیا جاتا ہے چونکہ بعض اوقات طبیعت کا رنگ خاص ہوتا ہے اور بعض اوقات نقل کا

---

[1] اشرف الجواب ۱۲۶/۲ [2] اصلاح انقلاب ص۳۔

لب ولہجہ کچھ معارضانہ ہوتا ہے،اس لیے بھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اس کے جواب کی نسبت ناملائم (غیر مناسب) لفظ نکل جاتا ہے پھر یہی ناقل یا دوسرا (شخص) اس مجیب تک اس کو پہنچا دیتا ہے پھر وہ کچھ کہہ دیتا ہے،اس کی خبر اس پہلے تک پہنچتی ہے،اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان منقولات (نقل کی ہوئی بات) میں بھی لفظی یا معنوی تغیر وتبدل کردیا جاتا ہے اوراس طور پر باہم ایک فساد عظیم ان میں برپا ہوجاتا ہے۔[1]

ایک خط میں تین سوال سے زائد سوال نہ کرنا چاہئے

ایک صاحب نے بہت سے سوالات ایک خط میں لکھ کر بھیجے، یہاں سے یہ جواب گیا کہ ایک خط میں دوتین سوال سے زیادہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اتنی فرصت نہیں ہے۔[2]

ایک خط میں اس قدر سوالات کی کثرت نہ کرنا چاہئے

ایک صاحب کا کارڈ آیا تھا اس میں سات سوالات کئے تھے میں نے لکھ دیا کہ تمہیں رحم نہیں آیا، خود لفافہ میں بھی دوسوال سے زیادہ نہ ہوں نہ کہ کارڈ میں سات سوالات،اب بتلائیے کہاں تک خوش اخلاق بن سکتا ہوں ، ایک کارڈ میں سات سوالات کا جواب کس طرح لکھ دیتا،لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ اورکوئی کام نہ ہوگا اس لئے اتنے سوال بھیج دیتے ہیں، پھر یہ سب سوالات اسی وقت تک ہیں کہ مفت جواب مل جاتا ہے،اگر فی سوال قلیل فیس بھی مقرر کردی جائے تو امید ہے کہ ایک سوال بھی نہ آئے، ایک مولوی صاحب فتویٰ کی فیس لیتے ہیں اوروہ اس لینے کو چھپاتے بھی نہیں، اعلان کرکے لیتے ہیں اور صاحب تجارت کا تو اعلان ہونا ہی چاہئے ،اور دیوبند میں کثرت سے فتوے آتے ہیں ،ایک پیسہ بھی نہیں لیا جاتا اور گو لینا جائز ہے مگر اس طرز میں یعنی لینے میں آزادی نہیں رہ سکتی اس لئے یہ اچھا طرز نہیں ۔[3]

---

[1] اصلاح انقلاب ص ۱۳۱ [2] حسن العزیز ۲/۱۷ [3] ملفوظات حکیم الامت ص ۵۷۴ ج ا قسط ۴

فصل

ائمہ مجتہدین اور علماء کے اختلافی مسائل پر اعتراض کرنا دراصل اللہ ورسول پر اعتراض کرنا ہے

بعض جہلاء علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان کے یہاں ہر بات میں اختلاف ہے اب ہم کس کا اتباع کریں؟ کس کو سچا سمجھیں، کس کو جھوٹا سمجھیں؟ سو (ماقبل) میں جب اس اختلاف کا قرآن وحدیث واقوال اکابرامت سے محمود ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس اختلاف پر اعتراض کرنا حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابرامت پر اعتراض کرنا ہے۔

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ باتفاق واجماعِ علماء امت محمود ومقبول ہے اور ان احادیث واقوال اکابر کا یہی محمل ہے:

عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سألت ربى عن اختلاف اصحابى من بعدى فاوحى الى يامحمد أن اصحابک عند ى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها أقوى من بعض ولِكل نور فمن اخذبشىء مماهم عليه من اختلافهم فهو عندى على هدى .

قال وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اصحابى كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم (رواه رزين ،مشكوة باب مناقب الصحابة)

فى المقاصد الحسنة من المدخل للبيهقى من حديث سفيان عن أفلح بن حميد عن القاسم بن محمد قال: اختلاف اصحاب محمد

رحمة للعباد.

ومن حديث قتادة ان عمر بن عبدالعزيز كان يقول: ماسرنى لو أن اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا لانهم لولم يختلفوا لم تكن رخصة.

ومن حديث الليث بن سعد عن يحى بن سعيد قال اهل العلم اهل توسعة ومابرح المفتون يختلفون فيحل هذا ويحرم هذافلايعيب هذا على هذا اه .

وكان اختلاف موسى وهارون عليهما السلام فى معاملة بنى اسرائيل من هذاالقبيل، وغضب موسىٰ عليه السلام كان قبل العلم بوجه اجتهاد هارون عليه السلام [1]

رہا یہ کہ پھر ہم کس کا اتباع کریں سواس کا فیصلہ نہایت سہل ہے وہ یہ کہ جب کسی مریض کے باب میں ماہرین اطباء کا اختلاف ہوتا ہے یا کسی مقدمہ کے متعلق وکلاء کا اختلاف ہوتا ہے کیا تم سب کو چھوڑ کر مریض کے معالجہ سے اور مقدمہ کی پیروی سے بیٹھ رہتے ہو یا کسی اصول کی بناء پر ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر اپنے مقصود میں مشغول ہوجاتے ہو؟

اسی طرح یہاں بھی ترجیح کے کچھ اصول ہیں جو عقل صحیح سے معلوم ہوسکتے ہیں ان ہی اصول سے یہاں بھی ایک کو ترجیح دے کر کام میں لگنا چاہئے ،مگر اختلاف اطباء کے وقت ان اصول کو اپنانا اور اختلاف علماء کے وقت ان اصول کا نہ اپنانا صرف اس وجہ سے ہے کہ وہاں دنیوی مقصود کو ضروری سمجھتے ہیں اور وہ موقوف ہے اتباع پر اور یہاں دینی مقصود کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں [2]

---

[1] رسالہ احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف ملحقہ بوادرالنوادر ص ۶۷۳

[2] بوادرالنوادر ص ۶۷۳، ۶۸۰

یہ رائے صحیح نہیں کہ احکام شرعیہ میں علماء کو کمیٹی کر کے اختلاف ختم کر لینا چاہئے

بعض لوگ آج کل یہ بھی کہتے ہیں کہ مجتہدین میں آپس میں اختلاف کیوں رہا، سب نے مل کر کمیٹی کر کے اتفاق رائے کیوں نہ کرلیا؟ یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا کی کون سی چیز اختلاف سے خالی ہے، بہت سے مسائل طب کے ایسے ہیں جن میں اطباء مجتہدین کا اختلاف رہا، تو انہوں نے کمیٹی کر کے اختلاف کو کیوں نہ رفع کرلیا؟ آج کل کمیٹی کا بڑا زور ہے، ڈاکٹر لوگ تو کثرت رائے کے معتقد ہیں تو ذرا ان سے پوچھئے کہ انہوں نے اپنے باہمی اختلاف کو جو ان کے درمیان طبی مسائل میں اس وقت بھی موجود ہیں، کمیٹی کے کر کے کیوں نہ دور کیا؟ اور اس سے بھی واضح نظیر لیجئے کہ سلطنت موجودہ کا قانون ایک ہے، لیکن پھر بھی دو ججوں میں اختلاف ہوتا ہے انہیں واقعات کی بناء پر جو مثل میں موجود ہے ایک پھانسی کا حکم دیتا ہے دوسرا اس کو رہا کرتا ہے، دونوں موجود ہیں دونوں مل کر کمیٹی کر کے ایک بات پر کیوں نہیں اتفاق رائے کر لیتے ہیں؟

یہ سوال ان ہی کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، جن کے دلوں میں دین کی عظمت ووقعت ذرا بھی نہیں ہے اور دین کو صرف رسم ورواج کے طور پر مانتے ہیں اس واسطے رفع الزام کے طور پر کہتے ہیں کہ مجتہدین نے اتفاق رائے کیوں نہ کرلیا، ان کے نزدیک دین کوئی مہتم بالشان چیز نہیں لہٰذا ان کے نزدیک رفع اختلاف کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں میں اختلاف ہو وہ جمع ہو کر بیٹھ جاویں اور دو چار آدمی ادھر اور دو چار ادھر ہو جائیں اور جس طرف کثرت رائے ہو اسی کو ٹھیک سمجھ لیا جاوے اور اسی کو دین قرار دیا جائے چاہے وہ صحیح ہو یا غلط [1]

[1] وعظ الصالحون ملحقہ اصلاح اعمال ص ۱۴۵

یہ خواہش غلط ہے کہ احکام ومسائل میں سب علماء جمع ہوکر ایک شق پر متفق ہوجائیں

بعض لوگ اس سے بڑھ کر جہالت پر کارفرما ہوتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء سب جمع ہوکر ایسے مسائل کا فیصلہ کرکے سب ایک شق پر متفق ہوجاویں، اس کا حقیقی جواب سمجھنے کے لئے تو علوم شرعیہ میں مہارت کی ضرورت ہے جو ان صاحبوں میں اس وجہ سے مفقود ہے کہ علم دین میں مشغول ہونا ان کے نزدیک منجملہ جرائم وتنزل کے ہے اس لئے ایک سطحی جواب عرض کرتا ہوں وہ بھی کافی ہے وہ یہ کہ کیا اس کے قبل کسی زمانہ میں ایسے علماء وسلاطین نہیں گذرے جنہوں نے اس ضرورت کا احساس کیا ہو اور اس کا انتظام بھی کرسکتے ہوں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آفتاب نصف النہار کا انکار ہے اور اگر اثبات میں ہے تو اس سے اجمالاً سمجھ لیجئے کہ اس میں کوئی مانع شرعی ضرور تھا جس کے سبب اس کا قصد نہیں کیا گیا تو کیا ایک ممنوع شرعی کی ہم سے درخواست کی جاتی ہے؟ ع ایں خیال ست ومحال ست وجنوں

کیا علماء دنیوی خواہشوں پر اس آیت کو بھول جائیں گے وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ اَهْوَائَهُمْ بَعْدَالَّذِیْ جَاءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلاَ نَصِیْرٍ[1]

علماء کے مسئلوں اور مفتیوں کے فتوؤں کو رد کرنا دراصل اللہ ورسول کے فرمان کو رد کرنا اور مقابلہ کرنا ہے

مسائل دینیہ میں جہلاء کا دخل دینا اور دلیل کے مقابلہ اس کہہ دینے کو کافی سمجھنا

---

[1] بوادر النوادر ص ۶۸۰

کہ ”ہمارا خیال یہ ہے“ ایک عام طریقہ ہے۔

اس کا مذموم ہونا (ماقبل) میں گذر چکا ہے اتنا اور مزید کرتا ہوں کہ کیا یہ حضرات کبھی کسی حکیم وڈاکٹر کی تجویز سننے کے بعد اس کے خلاف رائے قائم کر کے یہ کہنے کی ہمت کر سکتے ہیں کہ ”ہمارا خیال یہ ہے“ یا کسی حاکم وافسر کے سامنے اس کے حکم کے خلاف رائے ظاہر کر کے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ”ہمارا خیال یہ ہے“؟

تو افسوس خدا اور سول کے احکام کے سامنے یہ کہنے کی کیسے جسارت ہوتی ہے۔

اگر کہا جائے کہ وہ اللہ ورسول کے احکام ہی نہیں ہوتے یا تو وہ علماء کا اجتہاد ہوتا ہے یا اگر نصوص ہوتے ہیں تو ان کی تفسیر علماء کی ہوتی ہے، ہم علماء کے مقابلہ میں کہتے ہیں۔

اس کا جواب ظاہر ہے کہ نصوص کو بھی علماء جیسا سمجھتے ہیں تم قیامت تک نہیں سمجھ سکتے اور اگر ان کا اجتہاد ہے تو وہ اجتہاد بھی ماخوذ نصوص ہی سے ہے اس کے اخذ کا سلیقہ بھی علماء ہی کو ہے تم کو نہیں، لہٰذا دونوں حالتوں میں علماء کے مقابلہ میں یہ کہنا درحقیقت خدا اور سول ہی کے مقابلہ میں کہنا ہے۔[1]

احکام شرعیہ اور دینی مسائل میں اپنی رائے کو دخل دینا ناجائز ہے

آج کل مدعیان عقل میں عام مرض ہو گیا ہے کہ علم دین حاصل کئے بغیر مسائل دینیہ میں دخل دیتے ہیں اور بجائے دلیل کے اس کہنے کو کافی سمجھتے ہیں کہ ”ہمارا یہ خیال ہے“ اور علماء کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔

اس اختلاف کا حکم یہ ہے کہ یہ سخت معصیت اور مذموم ہے اور یہ احادیث اسی باب میں وارد ہیں۔

---

[1] بوادر النوادر ص ۶۸۱

عن عبدالله بن عمرقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الیٰ قوله حتی اذا لم یبق عالم اتخذالناس رؤساجها لا فسئلوا فافتوابغیر علم فضلواواضلوا (متفق علیه ،مشکوٰة باب العلم)

عن عوف بن مالک رفعه تفترق امتی علی بضع وسبعین فرقة اعظمها فتنه علی امتی قوم یقیسون الا مور برأیهم فیحلون الحرام ویحرمون الحلال (للکبیر والبزار)

(عن ابن عمر وبن العاص) رفعه. لم یزل امر بنی اسرائیل معتدلاً حتی نشاء فیهم المولد ون وابناء سبایاالا مم فقالوبالرأی فضلوا واضلوا. للقزوینی.

(عن ابن سیرین) قال اول من قاس ابلیس وماعبدت الشمس والقمر الا بالمقائیس، للدارمی یعنی قوله تعالیٰ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّخَلَقْتَه' مِنْ طِیْن (المراد بالقیاس الغیر الماخوذ من الشرع) من جمع الفوائد) ؎۱

(ان حدیثوں میں واضح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جب کوئی عالمِ دین باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کوسردار بنالیں گے،ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا ،بغیرعلم وتحقیق وہ فتوے دیں گے،خودبھی گمراہ ہوں گےاورلوگوں کوبھی گمراہ کریں گے۔

آپ نے فرمایامیری امت میں ۷۲ فرقے ہوں گے،میری امت کاسب سے بڑا فتنہ یہ ہوگا کہ احکام ومسائل میں (شرعی دلیل کے بغیرمحض)اپنی رائے سے قیاس کریں گے،حرام کوحلال اورحلال کوحرام کریں گے،بنی اسرائیل کا معاملہ درست رہاحتی کہ ایسے لوگ ان میں پیداہوئے جنہوں نے (حکم الٰہی اورشرعی دلیل کے بغیر) رائے سے فیصلے

؎۱ بوادرالنوادرص ۶۷۴

کئے، خود گمراہ ہوئے، دوسروں کو گمراہ کیا۔

سب سے پہلے (فاسد قیاس، دلیل شرعی کے بغیر) ابلیس نے کیا یہ کہہ کر کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ کہ آپ نے آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھ کو آگ سے، (آگ مٹی سے افضل ہے، میں کیوں آدم کے سامنے جھکوں) آج شمس وقمر کی پرستش شیطان کے اس فاسد قیاس کے نتیجہ ہی میں ہو رہی ہے۔

(ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مسائل میں اپنی رائے کو دخل دینا حرام اور ابلیس کا طریقہ ہے، اپنی اور دوسروں کی گمراہی کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے (مرتب)

عامی شخص اور غیر مجتہد کو مجتہد کے قول اور فتویٰ کا اتباع لازم ہے

جس شخص میں اجتہاد کی اہلیت (وقابلیت) نہ ہو خواہ وہ عامی محض ہو یا کسی قدر ان علوم کو حاصل کر چکا ہو جو اجتہاد کی شرائط میں سے ہیں، ان دونوں کو مجتہدین کے قول اور فتویٰ کا اتباع لازم ہے، محققین اہل اصول کا یہی مذہب ہے۔[1]

یعنی جس کو اجتہاد کی قابلیت نہ ہو اسے خود قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط کرنا اور اپنے استنباط پر عمل کرنا جائز نہیں جب تک اس کے قول کا مجتہدین کے قول سے موافق ہونا ظاہر نہ ہو جائے۔

العامی ومن لیس له اهلیة الاجتهاد وان کان محصلا لبعض العلوم المعتبرة فی الاجتهاد یلزمه اتباع قول المجتهدین والاخذبفتواهم عند المحققین من الاصولیین۔[2]

ای لایجوز الاجتهاد فی القرآن والحدیث والعمل باجتهاده

---

[1] احکام الاحکام للآمدی ص ۳۰۶ ج ۴ [2] احکام الاحکام للآمدی ص ۳۰۶ ج ۴

مالم یظھر موافقة لقول المجتھدین۔[1]☆

فتویٰ کی مخالفت کس کو کہتے ہیں؟

کسی کے فتویٰ جواز کے بعد اس فعل کو ترک کرنا صاحب فتویٰ کی مخالفت نہیں ہے، البتہ فتویٰ وجوب کے بعد اس فعل کو ترک کرنا یا فتویٰ حرمت کے بعد اس فعل کا ارتکاب کرنا یہ بیشک (فتویٰ کی) مخالفت ہے۔[2]

☆قال العلامہ الشاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ:

فتاوی المجتھدین بالنسبہ الی العوام کالأدلة الشرعیة بالنسبة الی المجتھدین، والدلیل علیه أن وجود الأدلة بالنسبة الی المقلدین وعدمھا سواءٌ اذ کانوا لایستفیدون منھا شیئاً، فلیس النظر فی الأدلة والاستنباط من شانھم، ولا یجوز ذالک لھم البتة، وقد قال تعالیٰ فَسْئَلُوْ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ، والمقلد غیر عالم، فلایصح له الا سوال أھل الذکر، والیھم مرجعه فی احکام الدین علی الاطلاق، فھم اذاً القائمون له مقام الشارع، واقوالھم قائمة مقام الشارع،..........فثبت أن قول المجتھد دلیل العامی۔ (الموافقات للشاطبی، کتاب الاجتہاد، المسئلة التاسعة ص۱۸۵ ج۴)

مطلب یہ کہ: مجتہدین کے فتاویٰ عوام کے لئے شرعی دلیل کا درجہ رکھتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ مقلدین کے حق میں دلائل کا ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ وہ ان دلائل سے مستفید نہیں ہو سکتے، استنباط اور ادلۂ شریعہ سے انہیں کچھ سروکار نہیں، اور ان کے لئے یہ جائز اور ممکن بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسْئَلُوْ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ کہ غیر عالم عالم سے پوچھیں، اور مقلد غیر عالم ہے لہٰذا اس کے لئے اہل علم کے سوال کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں، احکام دین میں علماء ہی اس کا مرجع ہیں، اس لئے علماء مجتہدین اور ان کے اقوال عامی کے لئے شریعت کا درجہ رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔اس سے ثابت ہوگیا کہ مجتہدین کا قول عامی کے حق میں دلیل کا درجہ رکھتا ہے۔

[1] امداد الفتاویٰ ص۱۸۰ ج۳ رسالہ کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا [2] امداد الفتاویٰ ۱۵۷ ج۳ سوال نمبر ۲۰۴

فصل

علماء ومفتیوں میں اختلاف کے وقت عوام کے لئے دستور العمل

یہ شکایت آج کل اکثر زبانوں پر ہے کہ ہم کس کی پیروی کریں، علماء اور مشائخ میں خود اختلاف ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ، اور بعض لوگ تو اس کے متعلق بہت ہی دریدہ دہن ہیں اور جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہیں (کہتے ہیں) کہ سب کو چھوڑو اس غم ہی کو مت پالو، ان حضرات سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اختلاف کس چیز میں نہیں ہے؟ دنیا کی کوئی چیز بھی اختلاف سے خالی نہیں، معاملہ علاج ہی کو لے لیجئے کہ جس ڈاکٹر کے پاس جاؤ جس حکیم کے پاس جاؤ اس کی تشخیص الگ، تجویز الگ ہیں، دوائیں الگ۔۔۔۔غرض اتنا اختلاف ہے کہ خدا کی پناہ، مگر ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالے کی ڈاکٹروں اور طبیبوں کو مطلقاً چھوڑ دے اور بیماری میں علاج ہی نہ کرے، بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ ذرا سی پھانس بھی لگ جائے یا خفیف ساز کام بھی ہو جائے تو ڈاکٹر اور حکیم کی تلاش ہوتی ہے اور اختلاف اطبا سے متاثر نہیں ہوتے اور یہ نہیں کرتے کہ کسی کا بھی علاج نہ کریں اور خود کو اپنے ہی حال پر چھوڑے رکھیں بلکہ ڈاکٹر اور طبیب کو ڈھونڈھتے ہیں اور یہ کام بھی کسی اناڑی اور عطائی سے نہیں لیتے بلکہ اس کے لئے بھی ہوشیار اور کارکردہ معالج کو تلاش کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی مل جاتا ہے، ایک پھانس کے لگ جانے میں تو یہ حالت ہوتی ہے اور دین کے بارہ میں یہ حکم لگا دیا کہ چونکہ علماء میں اختلاف ہے لہٰذا سب کو چھوڑ دو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دین اتنا بھی مہتم بالشان نہیں جتنی ایک پھانس کا لگنا۔[1]

---

[1] جلاء القلوب ملحقہ ذکر وفکر ص ۳۵۵

حق تک پہونچنے کا اور اہل حق کی پہچان کا ایک طریقہ

چند جگہ کا انتخاب کر واور ہر ہر جگہ ایک ایک ہفتہ رہو، مگر یہ شرط ہے کہ خالی الذہن ہو کر رہو نہ کسی کے معتقد ہو نہ مخالف اور وہاں کی ہر ہر حالت میں غور کرتے رہو، دن بھر وہاں کے حالات دیکھواور باتیں سنواور رات کو غور کرواور سوچو، اگر طلب صادق ہے تو حق واضح ہوجائے گا اور صاف معلوم ہوجائے گا کہ کہاں مصری ہے کہاں تنکے، کہیں تصنع اور بناوٹ ملے گی کہیں جعلسازی اور فریب ہوگا، مگر کہیں سچی اور کھری بات بھی ہوگی، اگر طلب میں خلوص ہے تو کھرے کھوٹے میں تمیز کر لینا کچھ مشکل نہ ہوگا، اس طریق سے کوشش کرو اور حق تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہو، صرف اپنی کوشش پر بھروسہ نہ کرو، ہدایت حق تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ عجز ونیازی ہے، دعاء کا مغز یہی عجز ونیاز ہے، کوئی اپنے علم وفہم وذہانت سے ہدایت نہیں پاتا ہے، بڑے بڑے عقلا گمراہ ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں، ہدایت جس کو ہوئی ہے حق تعالیٰ کے فضل ہی سے ہوئی ہے، اس واسطے کوشش کے ساتھ عجز ونیاز ودعا کی بھی سخت ضرورت ہے۔ یہ طریقہ ہے حق کے حاصل کرنے کا اس سے ضرور حق مل جاتا ہے۔[1]

علماء کے اختلاف کے وقت عوام کی ذمہ داری

اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ علماء کے اختلاف کے وقت اس پر نظر نہ کرو کہ دلیل تو ان کے پاس بھی ہے، دلیل تو سبھی کے پاس ہوا کرتی ہے کیا اس کے پاس دلیل نہ تھی جس نے ساس سے نکاح کو حلال کر دیا؟ کوئی شخص جب ایک دعوی کرتا ہے تو دلیل اس کی پہلے سوچ لیتا ہے۔

[1] وعظ جلاء القلوب ملحقہ ذکر وفکر ص ۳۵۵

www.alislahonline.com

دونوں مفتیوں کے پاس دلیل موجود ہے تو

عوام کس کے فتوے کو ترجیح دیں؟

اب آپ شاید یہ کہیں یہ تو عجیب گڑ بڑ ہے، دونوں طرف دلیل موجود ہے تو اس میں ہم کس کو ترجیح دیں، ہمارے لئے تو بڑی مشکل ہوگئی، لڑیں تو علماء اور بیچ میں مارے جائیں ہم، میں کہتا ہوں کہ اس وقت بھی حق کے معلوم کرنے کا ایک طریقہ ہے، طلب صادق چاہئے طالب حق کے لئے کہیں راستہ بند نہیں، وہ طریقہ یہ ہے کہ اگر طالب صاحب فہم ہے تو دونوں دلیلوں میں قوت وضعف کو دیکھ کر ترجیح دے سکتا ہے، بشرطیکہ انصاف سے کام لے اور خدائے تعالیٰ کا خوف اور راہ حق کی طلب کو پیش نظر رکھے اور اگر صاحب فہم نہیں ہے اور دلیل کو کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتا تو اس کے لئے آسان طریقہ ترجیح کا یہ ہے کہ دونوں فتوے دینے والوں کو دیکھے اور دونوں کے حالات پر غور کرے، اس کے نزدیک جو متقی اور پرہیز گار زیادہ ثابت ہو اس کے فتوے کو ترجیح دے اور اسی پر عمل کرے، مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محض ایک نظر میں سرسری طور پر دیکھنے سے یہ بات نہیں معلوم ہوسکتی اس کے لئے ضرورت ہے کہ کم از کم ایک ایک ہفتہ دونوں کے پاس بالکل خالی الذہن ہو کر رہو نہ ان کے معتقد بنو نہ مخالف بلکہ منصفانہ نظر سے دونوں کو دیکھتے رہو اور سفر وحضر خلوت وجلوت میں ان کے حالات میں غور کرتے رہو، اس میں اگر دیر لگے گی تو کچھ مضائقہ نہیں تم عنداللہ ماجور ہوگے، اتنے غور کے بعد ضرور تم پر حق واضح ہوجائے گا، طالب صادق کی تائید حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اگر بالفرض تلاش سے بھی فیصلہ نہ ہو اور کسی فریق کی ترجیح سمجھ میں نہ آوے اور تمہارے نزدیک دونوں علم وتقوی میں برابر ثابت ہوں تو اس صورت میں جس طرف دل گواہی دے اس طرف ہوجاؤ، بس جو کام تمہارے کرنے کا

تھا تم کر چکے اب اگر غلطی بھی رہی تو تم معذور ہو، اس بات کو میں پھر دہرائے دیتا ہوں کہ اس طریق کے ہر جزو میں اس کا اہتمام ضروری ہے کہ محض طلب حق اور للّٰہیت رہے نفسانیت وغرض اور ضد نہ آنے پائے، یہ ممکن نہیں کہ اس طرح کوئی تلاشِ حق کرے اور اس کو حق نہ ملے، حق تو بہت واضح چیز ہے وہ کسی طرح چھپ ہی نہیں سکتا۔

ہاں اغراض وغیرہ سے اس پر پردہ ضرور پڑ جاتا ہے، جب اغراض وغیرہ کو آپ بالائے طاق رکھ دیں گے تو آپ کو حق بھی اور عالم حقانی بھی سب مل جائے گا، بس اس کا اتباع کیجئے اب یہ اتباع اس عالم کا اتباع نہ ہوگا بلکہ اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، غرض ہر بات میں اتباع کر و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواہ بواسطہ ہو اور وہ واسطہ عالم حقانی ہے یا بلا واسطہ اور اس وقت تو بواسطہ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ حضور دنیا میں تشریف فرما نہیں ہیں۔[1]

علماء اور مفتیوں کے اختلاف کے وقت عوام تحقیق کے بعد اخلاص کے ساتھ جس کا بھی اتباع کریں گے کافی ہے

میں اس کی نظیر پیش کرتا ہوں (جس سے بات بالکل سمجھ میں آجائے گی) دیکھو! مسئلہ یہ ہے کہ اگر جنگل میں چار آدمی ہوں اور نماز کا وقت آجاوے اور قبلہ نہ معلوم ہوسکے تو ایسی حالت میں شرعاً جہتِ تحری قبلہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خوب سوچ لینا چاہئے جس طرف قبلہ ہونے کا ظن غالب ہو اسی طرف نماز پڑھ لینی چاہئے، اب فرض کیجئے کہ ان چاروں آدمیوں میں اختلاف ہوا ایک کی رائے پورب کی طرف، ایک کی پچھّم جانب، ایک کی دکھن، ایک کی اتر طرف قبلہ ہونے کی ہوئی تو اب مسئلہ فقہ کا یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے پر عمل کرنا چاہئے اور جس سمت کو اس کی رائے میں ترجیح ہو وہ اسی طرف نماز پڑھے، اگر دوسرے کی رائے کے موافق پڑھے گا تو نماز نہیں

[1] وعظ الصالحون ملحقہ اصلاح اعمال ص ۱۴۷، ۱۴۸ تا ۱۵۲

ہوگی خواہ وہ سمت واقع میں صحیح ہی کیوں نہ ہو،اب یہ بات صریحاً ظاہر ہے کہ سمت صحیح کی طرف ان چاروں میں سے ایک ہی کی نماز ہوئی ہوگی لیکن عنداللہ سب ماجور ہیں اور قیامت میں کسی سے یہ سوال نہ ہوگا کہ تم نے نماز غیر قبلہ کی طرف کیوں پڑھی تھی؟ جس کی یہ وجہ نہیں کہ سب نے نماز قبلہ ہی کی طرف پڑھی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قبلہ چاروں سمتوں میں تو ہو نہیں سکتا لامحالہ ایک ہی طرف رہا ہوگا، بلکہ وجہ یہ ہے کہ سبھوں نے قصدا اتباع قبلہ ہی کا کیا ہے مگر صحیح سمت معلوم کرنے سے معذور رہے، جتنا ان کا اختیاری فعل تھا وہ انہوں نے ادا کردیا،اس سے ثابت ہوگیا کہ اختلاف کی حالت میں جس کا بھی اتباع کیا جائے گا حق تعالیٰ کے نزدیک وہ مقبول ہے حتیٰ کہ اگر خطا پر بھی ہے تب بھی کوئی باز پرس نہیں بلکہ اجر ملے گا،تو ثابت ہوگیا کہ دین کے راستہ میں کوئی ناکام نہیں بلکہ اگر وہ مقلد ہے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا اور اگر مجتہد ہے تو اس پر بھی ملامت نہیں بلکہ ایک اجر اس خطا کی صورت میں بھی ملے گا،تو دین میں کسی طرح بھی ناکامی نہ ہوئی حتی کہ خطا کی صورت میں بھی کامیابی ہی رہی،تو اب وہ حیلہ آپ کا کہ علماء میں اختلاف ہے ہم کس کا اتباع کریں بالکل نہیں چل سکتا۔

علماء کے اختلاف کی صورت میں آپ جس کا بھی اتباع کریں گے تعمیل حکم ہوجائے گی،لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس بات میں اختلاف دیکھو بے سوچے سمجھے یا ہوائے نفسانی سے جس کا چاہو اتباع کرلو،مثلاً قادیانی اور سنی کا اختلاف دیکھو تو کیفما اتفق ایک فریق کو اختیار کرلو،قرآنی اور غیر قرآنی کا اختلاف دیکھو تو جس فریق کو چاہو اختیار کرلو یہ مطلب ہرگز نہیں، کیونکہ گفتگو ہے علماء حقانی کے اختلاف کے بارہ میں پہلے اس کی تحقیق کرلو کہ دونوں علماء حقانی ہیں یا نہیں؟ جب تحقیق ہوجاوے کہ دونوں حقانی ہیں تو اب دونوں کی اتباع میں گنجائش ہے،جس کی بھی موافقت کرلی جائے گی تعمیل حکم ہوجائے گی اور وہ موجب رضاء خدا ہوگی،اب آپ کہیں گے کہ ہم یہ کیسے تحقیق

کریں کہ کون علماء حقانی ہیں،اس کے لئے میں بہت مختصر طریق بتلاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے معاندانہ اعتراضات اور اغراض کو چھوڑ کر اور حق تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اور دین کو ضروری سمجھ کر ان علماء کے حالات میں غور کیجئے،اگر آپ ایسا کریں گے تو عادۃً ممکن نہیں کہ نہ پہنچان سکیں کہ یہ علماء حقانی ہیں یا نہیں، دیکھو علاج کی ضرورت کے وقت اور قتل کے مقدمہ کی پیروی کے وقت آپ طبیبوں اور وکیلوں کی تلاش کرتے ہیں تو آپ کو دو چار طبیب اور دو چار وکیل قابل اطمینان ضرور مل جاتے ہیں اور وہ سب قابل اعتماد ہوتے ہیں لیکن اس وقت بھی آپ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتے کہ ان سب قابل اعتماد لوگوں میں سے ایک کو چھانٹ کر علاج اور مقدمہ کی پیروی اس کے سپرد کر دیتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ طبیب یا وکیل تو ہم نے کامل اور قابل اطمینان ڈھونڈ لیا ہے اب صحت ہونا یا پھانسی کے مقدمہ سے بری ہونا تقدیر کے اوپر منحصر ہے،اسی طرح دین کے لئے جتنی کوشش آپ کے امکان میں ہے وہ کر کے علماء حقانی کو تلاش کر لیجئے اور ان کے اختلاف کی صورت میں کسی ایک کے قول کو لے لیجئے جس کے متعلق دل زیادہ گواہی دیتا ہو،اور بلا چون و چرا اس قول کا اتباع کر لیجئے۔

(خلاصہ یہ کہ) اگر علماء میں اختلاف ہو تو آپ کو گنجائش ہے کہ اس مسئلہ میں کسی کا بھی اتباع کر لیں یہ اختلاف برا نہیں بلکہ عنداللہ دونوں مقبول اور ماجور ہیں۔حق تعالیٰ کے یہاں دونوں اسی طرح ماجور ہیں جیسے جہت تحری کی طرف دونوں مختلف سمتوں کے نماز پڑھنے والے کہ کسی پر ملامت نہیں،غرضیکہ علماء کا ایسا اتباع بعینہٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے اور علماء حضور کے نائب ہیں اور یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر یاد دلاتا ہوں کہ علماء سے مراد علماء حقانی ہیں کیونکہ علماء بھی دو قسم کے ہیں ایک علماء حقانی دوسرے علماء شیطانی علماء حقانی کے کچھ اوصاف میں اوپر بیان کر آیا ہوں مختصرا پھر بھی بیان کئے دیتا ہوں علماء حقانی وہ ہیں جو

www.alislahonline.com

اپنی رائے اور اغراض کو حق تعالیٰ کے حکم کے سامنے بالکل فنا کر چکے ہوں اور ان کے نزدیک اس حکم کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا کی کوئی حقیقت نہ ہو۔

بس خلاصہ تمام اوصاف کا یہ ہے اور جو اپنی اغراض وہوائے نفسانی کے بندے ہوں وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان کو عالم کہا جائے، حق بات وہ کبھی کہہ ہی نہیں سکتے، بلکہ وہ حق بات کو سمجھ بھی نہیں سکتے کیونکہ جب تک اغراض باقی رہتے ہیں تو علم قلب میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ اغراض کے سبب قلب کے اوپر پردہ پڑ جاتا ہے۔[1]

احکام میں علماء کا اختلاف رحمت ہے ان سے بدگمان نہ ہونا چاہئے

علماء امت کے درمیان رایوں اور اس کی بناء پر اجتہادی مسائل میں اختلاف ایک امر فطری ہے اور حضرات صحابہ تابعین کے زمانہ سے ہوتا چلا آیا ہے ایسے اختلاف کو حدیث میں رحمت کہا گیا ہے مگر آج کل لوگوں نے اس اختلاف کو بھی طبقہ علماء سے بدگمانی پیدا کرنے کے کام میں استعمال کر رکھا ہے اور سیدھے سادھے عوام ان کے مغالطہ میں آ کر یہ کہنے لگے کہ جب علماء میں اختلاف ہے تو ہم کدھر جائیں، حالانکہ دنیا کے کاموں میں جب بیماری کے علاج میں ڈاکٹروں حکیموں کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو اس میں عمل کے لیے سب اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور اس اختلاف کی بناء پر سب ڈاکٹروں اور حکیموں سے بدگمان نہیں ہو جاتے۔[2]

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب! فلاں مسئلہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے ایک کہتا ہے کہ یہ کام بدعت ہے اگر کیا گیا تو عذاب ہے دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بدعت حسنہ ہے تو اسکے کرنے میں ثواب ہے تو ایسے موقع پر ہم کیا کریں اور کس کا اتباع کریں، بڑی پریشانی کی بات ہے۔

اس کے متعلق حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے ان لوگوں

[1] وعظ الصالحون ص ۱۴۲ ملحقہ اصلاح اعمال، اصلاح انقلاب ص ۳۱ [2] مجالس حکیم الامت ص ۲۳۹۔

کو چاہئے کہ اس کی تحقیق کریں کہ حق کس جانب ہے؟ جو عالم اس مسئلہ میں حق پر ہو بس اس مسئلہ میں اس کے قول پر عمل کریں۔

اور اگر اپنے اندر اتنی لیاقت نہ دیکھیں کہ یہ معلوم کرسکیں کہ کون عالم حق پر ہے یا ان کو اتنی فرصت نہیں کہ حق کی تحقیق کرسکیں تو پھر ان لوگوں کو چاہئے کہ احتیاط پر عمل کریں اور وہ احتیاط یہ ہے کہ عقیدہ تو یہ رکھیں کہ اللہ اعلم یعنی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون سی بات حق ہے، اور عمل یہ رکھیں کہ جس کے جائز ناجائز ہونے میں اختلاف ہو اس کو ترک کردیں کیونکہ اس کے ترک کردینے میں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس فعل کا ثواب نہ ملے گا تو خیر اور بہت سی باتوں سے ثواب حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس کام کو اگر کیا تو کرنے میں عذاب ہوگا، پس اس احتیاط میں گو کچھ ثواب میں کمی ہو جائے مگر عذاب سے تو بچ جائے گا۔[1]

مفتی کے فتوے پر بغیر دلیل معلوم کئے عمل کرنا جائز ہے

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو بے تحقیق کوئی فتویٰ دیدے تو اس کا گناہ اس فتویٰ دینے والوں کو ہوگا (ابوداؤد)

فائدہ: دیکھئے اگر تقلید جائز نہ ہوتی اور کسی کے فتویٰ پر بدوں معرفتِ دلیل کے عمل جائز نہ ہوتا جو حاصل ہے تقلید کا تو گنہگار ہونے میں مفتی کی کیا تخصیص؟ بلکہ جس طرح مفتی کو غلط فتویٰ بتلانے کا گناہ ہوتا اسی طرح سائل کو دلیل تحقیق نہ کرنے کا گناہ ہوتا۔[2]

علماء کے اختلاف کے وقت عوام کے لئے دستور العمل

سلامتی اسی میں ہے کہ جس کام میں کھٹک ہو اور جس میں علماء کا اختلاف ہو، اس کو ترک کردو، جب کہ جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف ہو اور اگر فرض وحرام میں

---

[1] الافاضات الیومیہ ۱۰/۱۵۰-۱۵۱۔ [2] ۵ الاقتصاد ص ۱۱

اختلاف ہو، تو وہاں اس شخص کا اتباع کرو جس پر زیادہ اعتقاد ہو جیسے فاتحہ خلف الامام کہ اس میں صوفیہ حنفیہ اپنے امام کے قول کو نہیں چھوڑتے کیونکہ گو امام شافعیؒ قراءت خلف الامام کو فرض کہتے ہیں مگر امام ابوحنیفہؒ مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

باقی جن مسائل میں جواز وعدم جواز کا فتوی ہو، ان میں صوفیاء کا بھی یہی عمل ہے کہ وہ اس فعل کو ترک کر دیتے ہیں، اسی واسطے کہا جاتا ہے **الصوفی لامذهب له** ، یہ مطلب نہیں کہ صوفی لا مذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے ورع اور تقوی اسی کا نام ہے، ہمارے فقہاء نے بھی اس کی تصریح کی ہے:

رِعَايَةُ الْخِلافِ وَالْخُرُوْجُ مِنْهُ اَوْلٰى مَالَمْ يَرْتَكِبْ مَكْرُوْهَ مَذْهَبِهٖ. کہ اختلاف سے بچنا مستحب ہے جب تک کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔[1]

استفت بالقلب، قلب سب سے بڑا مفتی ہے

جہاں تاویل کی صحت کا احتمال بھی ہو مگر دل قبول نہ کرے وہاں بھی اس پر عمل نہ کیا جائے، ایسے ہی مواقع کے لئے یہ حکم ہے۔

استفت قلبک ولو افتاک المفتون کہ باطنی مفتی (یعنی قلب کی شہادت) کے خلاف ظاہری مفتی کا قول نہ لیا جائے خصوصاً جب کہ مفتی خود مفتون ہو، وہاں تو فتووں پر اعتماد ہی نہ کرنا چاہئے بلکہ فتوی کے ساتھ اپنے دل کو بھی دیکھو کہ وہ کیا کہتا ہے، جب دل کو لگتی ہے اس وقت جواز کے سارے فتوے رکھے رہ جاتے ہیں اور اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک کہ کھٹک کی بات کو دور نہ کیا جائے۔[2]

[1] ارضاء الحق ملحقہ رضا و تسلیم ص ۸۹ [2] ارضاء الحق ملحقہ تسلیم و رضاء ۹۴/۱۵، ۹۶

''استفت بالقلب '' کا مصداق اور اس کی شرعی دلیل

حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ (بڑی) نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس پر لوگوں کے مطلع ہونے کو ناگوار سمجھو (روایت کیا اس کو مسلم و ترمذی نے)[1]

فائدہ: مراد گناہ سے حدیث میں وہ امور ہیں جن کے گناہ ہونے کی کوئی نص نہیں مگر کسی کلیہ سے اس میں گناہ ہونے کا شبہہ ہو جاوے تو ایسے امور کے لئے آپ نے یہ پہچان بتلائی اور یہ پہچان اسی قلب کے اعتبار سے ہے جو سلیم ہو چنانچہ صحابی کا مخاطب ہونا اس کا قرینہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض امور غیر منصوصہ عملیہ میں مسلم کامل کے قلب کا حکم معتبر اور جائز العمل ہے پس اس سے اس معمول کی اصل نکل آئی جو اکثر بزرگوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی طالب آتا ہے اگر ان کا قلب قبول کرتا ہے تو اس کو سلسلہ میں داخل کرتے ہیں ورنہ جواب دے دیتے ہیں، حالانکہ ظاہری طور پر کوئی وجہ خاص ردوقبول کی اس شخص میں محسوس نہیں ہوتی مگر اکثر بعد تفتیش کے ان کی شہادتِ قلب کی صحت ثابت ہوئی ہے اور چونکہ شرعاً کسی کو داخل سلسلہ کرنا یا اپنی صحبت میں رکھنا واجب نہیں بلکہ دونوں شقیں مباح و جائز ہیں اس لئے یہ اعتراض لازم نہیں آتا کہ وجدان ظنی سے کسی خاص شخص کے ساتھ کوئی خاص معاملہ کرنا کب جائز ہے جیسا کہ کسی کو چور سمجھ لینا قرائن ظنیہ سے جائز نہیں، البتہ دلیل ظنی سے کہ منحصر ہے قیاس شرعی میں مجتہد کو حکم کلی کر دینا بلا کلام جائز ہے۔[2]

---

[1] ۔تیسیر ص۱۴۲ [2] التکشف عن مهمات التصوف ص۳۰۶

مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ لینے میں ایک عالم ومفتی کو متعین کرنے کی ضرورت و مصلحت

بعض (لوگ) اتباع تو اہل انابت ہی کا کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ خودرائی کرتے ہیں کہ ان منیبین (اور مقتدا لوگوں) میں سے کسی ایک کو اتباع کے لئے متعین نہیں کرتے، جس مسئلہ میں ان میں سے جس کا چاہا اتباع کرلیا، یہ خودرائی بھی بہت مضر ہے۔

مناسب یہ ہے کہ زندہ لوگوں میں سے ایک شخص کو اپنی متبوعیت (پیروی) کے لئے پسند کرلیجئے اور میں یہ بہت فائدہ کی بات بتلاتا ہوں، تجربہ سے معلوم ہے کہ سلامتی اسی کے اندر ہے، گو اہل انابت (اور مقتدا) متعدد ہوں مگر متبوع ان میں سے ایک کو بنالیا جائے اور اسی کے سبیل (طریقے اور کہنے) کا اتباع کیا جائے۔

پس اب ان میں سے ایک کو ترجیح دینے کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے سو وہ یہ ہے کہ جس کی انابت زیادہ ہو، یعنی یہ دیکھ لیجئے کہ اس کا علم کیسا ہے، تقویٰ کی کیا حالت ہے، پھر دیکھئے کہ نسبت مع اللہ کیسی ہے، اور یہ معلوم ہوگا اس کی صحبت میں رہنے سے، یعنی اگر اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہو تو سمجھو کہ اس کی نسبت کامل ہے اور وہ متبوع بنانے کے قابل ہے۔

اور اگر اپنے اندر اثر محسوس نہ ہو تو اس کے پاس رہنے والوں کو دیکھے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی ہے؟ اگر ان میں سے اکثر کی حالت اچھی دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ شخص کامل ہے۔

سلف کی (اگرچہ) یہی حالت تھی کہ کبھی امام ابوحنیفہؒ سے پوچھ لیا کبھی اوزاعیؒ

سے،اوراسی سلف کی حالت دیکھ کرآج بھی لوگوں کو یہ لالچ ہوتا ہے،سوفی نفسہٖ تو یہ جائز ہے مگرایک عارض کی وجہ سے ممنوع ہو گیا ہے۔

اس کے سمجھنے کے لئے اول ایک مقدمہ سن لیجئے،وہ یہ کہ حالتِ غالبہ کا اعتبار ہوتا ہے سوحالتِ غالبہ کے اعتبار سے آج میں اوراُس وقت میں یہ فرق ہے کہ اس وقت کے لوگوں میں تدیّن (یعنی دین اورتقویٰ)غالب تھا،ان کا مختلف لوگوں سے پوچھنا یاتو اتفاقی طور پر ہوتا تھااور یااس لئے کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پرعمل کریں گے،پس اگر تدیّن کی اب بھی وہی حالت ہوتی تو ایک کو خاص کرنے اوراس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہ تھی،مگراب تو وہ حالت ہی نہیں رہی اور کیسے رہتی،حدیث میں ہے ثُمَّ یَفْشُو الْکِذْبُ کہ خیرالقرون کے بعد کِذب(جھوٹ)پھیل جائے گااور لوگوں کی حالت بدل جائے گی سو جتنا خیرالقرون سے بُعد(فاصلہ زیادہ)ہوتا گیا اتنی ہی لوگوں کی حالت ابتر ہوتی گئی،اب تو وہ حالت ہوگئی ہے کہ عام طور پر غرض پرستی غالب ہے،اب مختلف لوگوں سے اس لئے پوچھا جاتا ہے کہ جس میں اپنی غرض نکلتی ہوگی اس پرعمل کریں گے۔۔۔۔۔۔

جیسے کہ مجتہدین کی تقلید شخصی میں یہ حکمت ہے اسی طرح اس مذہب کے علماءِ اخیار میں سے ایک ہی(عالم ومفتی یادارالافتاءکومسئلہ پوچھنے اورفتویٰ لینے کے لئے) متعین کرلینے میں یہی حکمت ہے کیونکہ زمانہ کی حالت بدل گئی ہے کہ لوگوں میں غرض پرستی غالب ہے،اورایک مذہب کے علماء میں بھی آپس میں مسائل کے اندراختلاف ہے پس اگرایک عالم کو متعین نہ کیاجائے گا،تو اس کے اندربھی اندیشہ ہے کہ کہیں غرض پرستی میں نہ پڑجائیں کہ جس عالم کی رائےنفس کے موافق ہوئی اس کو مان لیااورجس کی رائےنفس کے خلاف ہوئی اس کو نہ مانا،اوراس اختلاف علماء ہی کی وجہ سے عام لوگ یہ

شبہ کرنے لگے ہیں کہ صاحب ہر مولوی کی جدارائے ہے، ہم کدھر جائیں؟ مگر اس کا تو میرے پاس ایسا جواب ہے کہ اس کا کسی سے رد ہی نہیں ہوسکتا۔

وہ یہ کہ طبیب کے پاس بھی تو آخر جاتے ہی ہو ان میں بھی تو آپس میں اختلاف ہوتا ہی ہے، تو جس طرح ان کاموں میں ایک کو منتخب کر لیتے ہو، اسی طرح یہاں کیوں پریشانی ہے کہ کس کا کہنا مانیں، اس کا بھی یہی انتظام کرلو کہ ایک عالم اور ایک شیخ کو منتخب کرلو، پس ہر شخص کو اکثر دو آدمیوں کے متعین کرنے کی ضرورت ہوگی، ایک عالم کی اور ایک شیخ کی، کیونکہ دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک اعمال صالحہ کی اور ایک اس کی تکمیل کی، پس دو شخصوں سے تعلق پیدا کرو، عالم سے تو اعمال صالح سیکھو اور شیخ سے اس کی تکمیل کرو اور اگر کوئی جامع مل جائے جس سے دونوں چیزیں حاصل ہو جائیں تو خوش قسمتی ہے، اگر پریشانی سے اپنی نجات چاہتے ہو تو ایسا کرو، اور اس کی ہی سخت ضرورت ہے۔

پھر ہر ایک امر میں جو شبہ ہو اس سے پوچھ لو، جو کام کرنا چاہو پہلے اس سے پوچھ لو، اگر وہ جائز بتلائے تو کرو ورنہ نہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ باتیں دو قسم کی پوچھی جاتی ہیں، ایک تو احکام دوسرے اس کے دلائل، جو بات وہ بتلائے اگر اس کی دلیل تمہاری سمجھ میں نہ بھی آئے تب بھی اس شخص کی اطاعت نہ چھوڑو بلکہ اس کی بات بلا دلیل مان لو، دنیاوی امور میں بھی عقلاء کا یہی طریقہ ہے، آخر سول سرجن کا قول مان لیتے ہو، کچھ اگر مگر نہیں کرتے گو دلیل نہ سمجھ میں آئے، اسی طرح دین میں جس کو متبوع قرار دو (یعنی جس پر اعتماد کرو) اس سے زیادہ گڑبڑ نہ کرو، زیادہ محقق نہ بنو، عمل کرو، اگر محقق بننے کا شوق ہو تو مدرسہ میں آ کر پڑھو، غرضیکہ ایک شخص کو متبوع مقرر کر لینے میں بہت پریشانیوں سے بچ جاؤ گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے اس مسئلہ مختلف فیہا کا جو آج کل بہت معرکۃ الآراء سمجھا جاتا ہے فیصلہ کیا ہے اور دونوں مرضوں کا علاج کیا ہے، خود رائی کا بھی اور عدم معیار کا بھی جس کا حاصل یہ ہے کہ اتباع کرو سبیل حق کا مگر مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کے واسطے سے (یعنی ان لوگوں کے واسطے سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں) اور گو مـن انـاب میں متعدد اشخاص کے اتباع کرنے کا مضائقہ نہ تھا، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایک کے متعین کر لینے میں راحت اور انتظام اور نفس کی حفاظت ہے، پس اس زمانہ میں علماء اور مشائخ کو اس معیار سے جانچیئے، اگر کوئی جامع مل جائے تو ایک کو ورنہ دو کو منتخب کر کے ان کا اتباع کیجئے۔

اگر دین پر چلنا چاہتے ہو تو اس کا یہ طریقہ ہے ورنہ اس کے بغیر آج کل دین سالم رہنے کا کچھ اعتبار نہیں، جو شخص اس طریقہ کے خلاف کرے گا، کچھ تعجب نہیں کہ وہ دین سے بہک جائے، میں نے ایک ایسی بات بتلادی ہے کہ عمر بھر کے لئے دستور العمل بنانے کے قابل ہے، اور جو اس پر عمل کرے گا اس کو کبھی گمراہی نہ ہوگی۔[1]

---

[1] اتباع المنیب ملحقہ نظام شریعت ص۲۳۳، ۲۳۸ تا ۲۴۰

عوام کے لیے ضروری دستور العمل

۱- سب سے پہلے کسی شخص کی حالت کو خوب جانچ لو، خوب امتحان کرلو، جب اس کے علم وعمل پر کافی اطمینان ہوجائے اب اس سے پوچھ پوچھ کر عمل کرلو، اور فضول باتیں نہ پوچھو۔

۲- اور یہ یاد رکھو کہ اچھی طرح جانچے ہوئے بغیر کسی کو اپنا بڑا نہ بناؤ کیونکہ دین بڑی قدر کے قابل چیز ہے اس لیے ہر کس وناکس کو رہنما نہ بناؤ لیکن جب کسی کا محقق ہونا ثابت ہوجائے پھر اس سے حجت نہ کرو جو بتلادے اسی پر عمل کرو۔

۳- اپنا دستور العمل یہ رکھئے، بقدر ضرورت احکام کا علم حاصل کیجئے جس کی صورت یہ ہے کہ جو دینی رسائل محققین کی تصنیف سے ہیں ان کو مطالعہ میں رکھئے اور دوران مطالعہ جہاں شبہ ہو وہاں نشان بناتے رہیں اور بعد میں ان مشتبہ مقامات کو کسی محقق سے زبانی حل کرلیں اور جو ان پڑھ ہیں وہ ان رسالوں کو سن لیا کریں۔

۴- ایک تو اس کا التزام کریں دوسری بات یہ کرو کہ جو کام کرنا ہو خواہ نوکری یا ملازمت یا تجارت یا شادی یا غمی سب کے متعلق پہلے کسی محقق سے شرعی حکم دریافت کرلو، اگرچہ عمل کی بھی توفیق نہ ہو دریافت کرلینے سے کم سے کم یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے جائز ناجائز ہونے کا تو علم ہوجائے گا۔

ممکن ہے کہ یہ علم کسی وقت اس سے بچنے کی ہمت پیدا کردے اور اگر مبتلا ہی رہے تو حرام کو حلال سمجھ کر تو نہ کروگے[۱]

۵- جو ضرورت پیش آتی جائے کاملین سے اس کے متعلق استفتاء کرلیں، اس وقت تو کلکتہ (کیا کسی بھی دوسرے شہر اور ملک) تک سے ہر بات بذریعہ خط (یا آج کل موبائل، انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعہ آسانی سے) دریافت ہوسکتی ہے۔

[۱] التبلیغ اسباب الفتنہ ص ۱۲۳۔

ہو جائیں گے پھر ایک سوال میں ان کی کتنی تعداد ہو جائے گی اور چند سال میں ایک معتد بہ ذخیرہ ہو جائے گا، یہ ان کے لیے ہے جو پڑھے لکھے ہیں اور جو حرف شناس نہیں ہیں ان کے لیے یہ کیا جائے کہ کسی شخص کو مقرر کیا جائے جو ان کو ہر ہفتہ مسائل سنا دیا کرے، اور یہ لوگ اپنی عورتوں کو سنا دیا کریں مگر اس کے لیے ایک مرکز کی ضرورت ہوگی وہ اس کو اپنے ذمہ لے لے اور وہ کوئی عالم ہونا چاہئے اس کا کام یہ ہو کہ محض مسائل کا وعظ کہا کرے لوگ اس کی طرف توجہ کریں اور ہمت کر کے ایک مولوی کو مناسب معاوضہ پر اس کام کے لیے رکھ لیں۔

۶- اور ایک اس کا التزام ہو کہ جب کبھی فرصت اور مہلت ہوا کرے تو ایسے بزرگوں سے ملتے رہا کرو اور ان سے ڈرو نہیں کہ ہمارے افعال پر لتاڑ دیں گے ہرگز نہیں، وہ تمہارے سامنے منھ توڑ کر کوئی جواب نہ کہیں گے۔

ایسے بزرگوں کی صحبت سے تمہاری حالت انشاء اللہ خود بہ خود درست ہوتی چلی جائے گی۔

یہ ہے وہ دستور العمل جو دل پر سے پردے اٹھاتا ہے جس کے چند اجزاء ہیں (۱) کتابیں دیکھنا (۲) دوسرے مسائل دریافت کرنا (۳) تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا (۴) اور اگر ان کی خدمت میں آمد و رفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات وملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو (۵) اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو، تو یہ اصلاح قلب میں بہت ہی معین و مددگار ہے (۶) اور کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے باتیں کرو کہ ایک دن دنیا سے جانا ہے، مال و دولت سب مجھے چھوڑ دیں گے۔[1]

---

[1] دعوات عبدیت ازالۃ الفتنہ ۱۰/۷ا۔

مستفتیوں کے لئے چند ضروری ہدایات وآداب

۱- اپنا دستور العمل اس باب میں یہ رکھیں کہ:
جب کوئی ضروری بات پیش آئے اپنے عمل کرنے کے لیے نہ کہ مباحثہ کرنے کے لیے تو ایسے شخص سے مسئلہ پوچھیں جس کا معتبر ومحقق ہونا صحیح ذریعہ سے معلوم ہو اور اس پر اعتماد بھی ہو۔

۲- اور دلیل دریافت نہ کریں۔

۳- اور کسی اور عالم سے (وہی مسئلہ) بلاضرورت نہ پوچھیں۔

۴- اور اگر جواب میں شبہ رہے اور شفا نہ ہو تو ایسے ہی صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لیں۔

۵- اگر جواب پہلے کے خلاف ہو تو پہلے (مفتی) کا جواب اس کے (دوسرے مفتی کے) سامنے اور اس کا جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کریں اور جس قول پر قلب مطمئن ہو اس پر عمل کریں۔[۱]

استفتاء لکھنے کے آداب

اور اگر استفتاء تحریراً ہو تو ان رعایات کے علاوہ اور بھی بعض رعایتوں کا لحاظ رکھیں:

۱- سوال کی عبارت اور خط بہت صاف ہو۔

۲- حتی الامکان فضول غیر متعلق باتیں اس میں نہ لکھیں۔

۳- اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں۔

۴- اگر کئی بار ایک ہی جگہ استفتاء لے جائیں تب بھی ہر خط میں پتہ ونام صاف لکھیں۔

---

[۱] اصلاح انقلاب ص:۳۱

۵- جواب کے لیے ٹکٹ (جوابی لفافہ) ضرور رکھ دیا کریں۔

۶- اگر سوال دستی بھی ہو تو تب بھی جواب کے لیے ٹکٹ (دستی لفافہ) رکھ دیں اور اپنا پورا پتہ لکھ دیں شاید اس وقت جواب مسئلہ کا نہ دے سکیں تو بعد میں بھیج دیں گے ورنہ ٹکٹ واپس آ جائے گا۔

۷- اور اگر کئی سوال ہوں تو کارڈ پر نہ بھیجا کریں۔

۸- اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو ان سوالوں پر نمبر ڈال کر ان کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھ لیں اور مکتوب الیہ (مفتی) کو اطلاع دیں کہ ہمارے پاس سوالات کی نقل نمبر وار ہے آپ اعادۂ سوال کی تکلیف نہ کریں۔ نمبروں کی ترتیب سے صرف جواب لکھ دیں۔[۱]

متفرق آداب

۹- جلد جواب تحریر کرنے پر مجبور نہ کریں۔[۲]

۱۰- استفتاء میں حاکمانہ لہجہ سے گریز کریں۔[۳]

۱۱- غیر ضروری اور فرضی مسائل سے اجتناب کریں۔[۴]

۱۲- سوال پورا اور بالکل واضح ہو، مجمل اور ادھورا نہ ہو۔[۵]

۱۳- حتی الامکان سوال تحریری لکھ کر معلوم کریں زبانی دریافت کرنے سے گریز کریں۔[۶]

۱۴- علماء سے صرف مسائل شرعی پوچھے جائیں ان کے ذاتی افعال کی تحقیق سے گریز کریں۔[۷]

۱۵- عمل کی نیت سے مسئلہ دریافت کریں محض مشغلہ مقصود نہ ہو۔[۸]

---

[۱] اصلاح انقلاب ۱/۳۲۔ [۲] الافاضات الیومیہ ۵/۲۷، مطبوعہ کراچی۔ [۳] ایضاً ص ۴۵۔ [۴] ایضاً ص ۴۵۔ [۵] ایضاً ۵/۱۵۲۔ [۶] الافاضات الیومیہ ص ۱۱۲، مطبوعہ کراچی۔ [۷] ایضاً ص ۲۶۴۔ [۸] ایضاً، ماخوذ از رسالہ البلاغ شمارہ: ۱۰، شوال ۱۴۰۳ھ۔

ضمیمہ

آدابُ المستفتی (از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

عوام الناس پر علماء و مفتیوں سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کرنا اور ان کی تقلید کرنا واجب ہے

فَسْئَلُوا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ۔(سورہ نحل)

(اگر تم کو علم نہیں ہے تو دوسرے اہل علم سے پوچھو) یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے نقلی بھی کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید ہے، یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی، امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے، جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتوی لے کر عمل کریں۔[1]

(مسئلہ) تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت (فَسْئَلُوا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ) سے معلوم ہوا کہ جاہل آدمی جس کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں اس پر عالم کی تقلید واجب ہے کہ عالم سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔[2]

دلائل کی حاجت نہیں

اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن و حدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے، ان میں خود دلائل کو

[1] معارف القرآن ج۵ ص۳۳۳ سورہ نحل پ۱۴ [2] معارف القرآن سورہ انبیاء پ۱۷ ج۶ ص۱۵۹

سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔[1]

بلاضرورت سوال کرنے کی ممانعت

یا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ۔(مائدہ پ۷)

ان آیات میں اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو احکام الٰہیہ میں بلا ضرورت تدقیق اور بال کی کھال نکالنے کا شوق ہوتا ہے اور جو احکام نہیں دیئے گئے ان کے متعلق بغیر کسی داعیۂ ضرورت کے سوالات کیا کرتے ہیں، اس آیت میں ان کو ہدایت کی گئی کہ وہ ایسے سوالات نہ کیا کریں جن کے نتیجہ میں ان پر کوئی مشقت پڑ جائے یا ان کو خفیہ رازوں کے اظہار سے رسوائی ہو۔[2]

فتویٰ لینے اور مسئلہ پوچھنے سے پہلے مستفتی کی ذمہ داری

سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ۔(مائدہ پ۶)

اس میں مسلمانوں کے لیے ایک اہم اصولی ہدایت یہ ہے کہ اگرچہ جاہل عوام کے لیے دین پر عمل کرنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ علماء کے فتوے اور تعلیم پر عمل کریں لیکن اس ذمہ داری سے عوام بھی بری نہیں کہ فتویٰ لینے اور عمل کرنے سے پہلے اپنے مقتداؤں کے متعلق اتنی تحقیق تو کرلیں جتنی کوئی بیمار کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنے سے پہلے کیا کرتا ہے کہ جاننے والوں سے تحقیق کرتا ہے کہ اس مرض کے لیے کون سا ڈاکٹر ماہر ہے، کون سا حکیم اچھا ہے اس کی ڈگریاں کیا کیا ہیں؟ اپنی مقامی تحقیق

---

[1] معارف القرآن ج۵ ص۳۳۳ سورہ نحل پ۱۴ [2] معارف القرآن، مائدہ ص:۲۴۵ جلد۳۔

کے بعد بھی اگر وہ کسی غلط ڈاکٹر یا حکیم کے جال میں پھنس گیا یا اس نے کوئی غلطی کر دی تو عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں ہوتا لیکن جو شخص بلا تحقیق کسی عطائی کے جال میں جا پھنسا اور پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو وہ عقلاء کے نزدیک خود اپنی خودکشی کا ذمہ دار ہے۔

یہی حال عوام کے لیے دینی امور کے بارے میں ہے کہ اگر انہوں نے اپنی بستی کے اہل علم وفن اور تجربہ کار لوگوں سے تحقیق حال کرنے کے بعد کسی عالم کو اپنا مقتدیٰ بنایا اور اس کے فتویٰ پر عمل کیا تو وہ عندالناس بھی معذور سمجھا جائے گا اور عند اللہ بھی۔

ایسے ہی معاملہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **فان اثمه علی من افتی** یعنی ایسی صورت میں اگر عالم اور مفتی نے غلطی کر لی اور کسی مسلمان نے ان کے غلط فتوے پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس پر نہیں بلکہ اس عالم اور مفتی پر ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ اس عالم نے جان بوجھ کر ایسی غلطی کی ہو، یا امکانی غور وخوض میں کمی کی ہو، یا یہ کہ وہ عالم ہی نہ تھا اور لوگوں کو فریب دے کر اس منصب پر مسلط ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص بلا تحقیق محض اپنے خیال سے کسی کو عالم یا مقتداء قرار دے کر اس کے قول پر عمل کرے اور وہ فی الواقع اس کا اہل نہیں تو اس کا وبال تنہا اس مفتی وعالم پر نہیں ہے بلکہ یہ شخص بھی برابر کا مجرم ہے جس نے تحقیق کئے بغیر اپنے ایمان کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے حوالے کر دی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد خداوندی ہے: سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ، یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں، اپنے مقتداؤں کے علم وعمل اور امانت ودیانت کی تحقیق کئے بغیر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور ان سے موضوع اور غلط روایات سننے اور ماننے کے عادی ہو گئے ہیں۔[1]

---

[1] معارف القرآن، سورۂ مائدہ ۳/۱۴۹۔

اہل علم اور مفتیوں میں اختلاف ہوتو عوام کیا کریں

بہت سے لوگ جو اس حقیقت سے واقف نہیں وہ مذاہب فقہاء اور علماء حق کے فتووں میں اختلاف کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ علماء میں اختلاف ہوتو ہم کدھر جائیں حالانکہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح کسی بیمار کے سلسلہ میں ڈاکٹروں، طبیبوں کا اختلاف رائے ہوتا ہے تو ہر شخص یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ان میں سے فنی اعتبار سے زیادہ ماہر اور تجربہ کار کون ہے بس اس کا علاج کرتے ہیں۔

دوسرے ڈاکٹروں کو برا نہیں کہتے، مقدمہ کے وکیلوں میں اختلاف ہوجاتا ہے تو جس وکیل کو زیادہ قابل اور تجربہ کار جانتے ہیں اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، دوسروں کی بدگوئی کرتے نہیں پھرتے، یہی اصول یہاں ہونا چاہئے، جب کسی مسئلہ میں علماء کے فتوے مختلف ہوجائیں تو مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد جس عالم کو علم اور تقویٰ میں دوسروں سے زیادہ افضل سمجھیں اس کی اتباع کریں اور دوسرے علماء کو برا بھلا کہتے نہ پھریں۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین میں نقل کیا ہے کہ ماہر مفتی کا انتخاب اور درصورت اختلاف ان میں سے اس شخص کے فتوے کو ترجیح دینا جو اس کے نزدیک علم اور تقویٰ میں سب سے زیادہ ہو، یہ کام ہر صاحب معاملہ مسلمان کے ذمہ خود لازم ہے، اس کا کام یہ تو نہیں کہ علماء کے فتووں میں کسی فتوے کو ترجیح دے، لیکن یہ اسی کا کام ہے کہ مفتیوں اور علماء میں سے جس کو اپنے نزدیک علم اور دیانت کے اعتبار سے زیادہ افضل جانتا ہے اس کے فتوے پر عمل کرے مگر دوسرے علماء اور مفتیوں کو برا کہتا نہ پھرے، ایسا عمل کرنے کے بعد اللہ کے نزدیک وہ بالکل بری ہے اگر حقیقۃً کوئی غلطی فتویٰ دینے والے سے ہو بھی گئی تو اس کا وہی ذمہ دار ہے۔[1]

[1] معارف القرآن، سورۂ انعام ۳/۳۶۶۔